بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اُبھرتے معاشرتی مسائل

مؤلف:

شمس پیرزادہؒ

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹۔محمد علی روڈ، ممبئی ۴۰۰۰۰۳

فون:۲۳۴۶۵۰۰۵

Idara Dawatul Quran
59,Muhammad Ali Road,
Mumbai - 400 003
Phone: 23465005

دوسرا ایڈیشن فروری ۲۰۱۲ تعداد :۲۰۰۰/ہزار قیمت: /روپے Rs. 25 /-

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
پیش لفظ	۳
لَو میریج (Love Marriage)	۵
کُفو (نکاح میں برابری)	۱۰
نکاح کے لئے ولی	۱۵
رشتۂ مودت ورحمت	۳۰
بیوی کا نفقہ	۳۵
عورت اور کسب معاش	۴۷
خلع	۵۲
متاع طلاق	۵۹
عدت	۶۳
تفویض طلاق (عورت کو اپنے اوپر طلاق عائد کرنے کا اختیار دینا)	۷۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

معاشرہ کی اصلاح کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ فہمائش اور نصیحت کا اہتمام کیا جائے وہاں اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ابھرتے معاشرتی مسائل کا شرعی حدود میں رہتے ہوئے حل پیش کیا جائے۔ مسلمانوں کے موجودہ سماجی حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ واقعیت پسندانہ اور معروضی انداز میں ان مسائل پر غور کیا جائے اور مسلکوں کے دائروں میں محصور ہو کر نہ رہا جائے۔ مگر یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ جو لوگ ارشاد و افتاء کے منصب پر فائز ہیں وہ قدیم فقہی کتابوں سے اقتباسات پیش کرنا ہی بہت بڑی خدمت سمجھتے ہیں اور فقہاء کے اقوال کی محض جگالی کرتے رہتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

ہندوستان کے علماء کے مقابلہ میں مسلم ممالک کے علماء میں نسبتاً زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے عائلی مسائل پر جو کچھ لکھا ہے وہ کسی ایک مسلک کے تنگ دائرہ میں رہ کر نہیں لکھا ہے اور حالات کی رعایت جس حد تک کی جاسکتی ہے اس کو ملحوظ رکھ کر عائلی قوانین کے سلسلہ میں اپنی آراء پیش کردی ہیں۔

مگر ہمارے ملک میں عجیب صورت حال ہے۔ اگر کوئی شخص مسلکوں سے بلند ہو کر کوئی

بات پیش کرتا ہے تو بجائے یہ دیکھنے کے کہ اس کی دلیل میں کتنا وزن ہے فقہی اور مسلکی پیمانوں سے اس کو ناپنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سمجھانا مشکل ہے۔

ہم نے اس پمفلٹ میں جن ابھرتے معاشرتی مسائل کا ذکر کیا ہے ان میں طلاق، مہر اور جہیز کو شامل نہیں کیا ہے کیونکہ طلاق پر ہمارے دو پمفلٹ ”طلاق کب اور کیسے؟“ اور ”اکٹھی تین طلاقیں“ شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح مہر اور جہیز پر پمفلٹ ”شادی کے شرعی اور غیر شرعی طریقے“ میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ اصلاحِ معاشرہ کی ان کوششوں کو مفید اور کامیاب بنائے۔

شمس پیرزادہؒ
۱۷/ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ
۶ مارچ ۱۹۹۹ء

ادارہ دعوۃ القرآن
۵۹۔ محمد علی روڈ
ممبئی ۴۰۰ ۰۰۳

لَو میرج

(Love Marriage)

نئی تہذیب نے شادی بیاہ کی بھی نئی صورت پیدا کردی ہے جو اس تہذیب کے دلدادہ مردوں اور عورتوں کے لئے بڑی پرکشش ہے۔لڑکیاں سمجھتی ہیں کہ ان کے رشتہ کے سلسلہ میں ان کے ماں باپ اپنی مرضی ان پر ٹھونسنا چاہیں گے اور وہ اپنی پسند کے مطابق شادی نہ کرسکیں گے۔اس لئے وہ اپنا رشتہ براہِ راست طے کرنے کی خواہشمند ہوتی ہیں۔جدید ماحول نے ان کو ایسے مواقع بھی فراہم کردئے ہیں کہ وہ اجنبی مردوں سے ربط پیدا کرلیں۔ کالجوں میں جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے لڑکوں سے میل جول بہت آسانی سے ہوجاتا ہے۔ اسی طرح دفتروں میں ملازمت کرنے والی لڑکیوں کو بھی لڑکوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ایسے ماحول میں شیطان کو ورغلانے کا پورا موقع ملتا ہے پھر لڑکا لڑکی پر فریفتہ ہوجاتا ہے اور لڑکی لڑکے پر۔میل ملاپ بڑھتے بڑھتے چوری چھپے آشنائی کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔اس کے بعد ماں باپ کی مرضی کے خلاف یا ان کو اطلاع دئے بغیر نکاح کرلیا جاتا ہے اور بعض تو سول میرج کرلیتے ہیں اور انہیں اس کے نتائج کا اندازہ نہیں ہوتا۔

محبت کی یہ شادیاں کسی سنجیدہ فیصلہ کا نتیجہ نہیں ہوتیں بلکہ محض جذباتی ہوتی ہیں۔شادی کے بعد کچھ دن تو ہنسی خوشی گزر جاتے ہیں لیکن جب ایک دوسرے کے مزاج سے واسطہ

پڑتا ہے اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو تعلقات خراب ہوجاتے ہیں اور طلاق تک نوبت آجاتی ہے۔ایسی شادیاں بالعموم ناکام ہی ثابت ہوتی ہیں اور اگر طلاق ہوئی تو لڑکی کے لئے اپنے ماں باپ کو منہ دکھانا مشکل ہوجاتا ہے۔اب وہ سہارا لے تو کس کا؟

رشتہ کے سلسلہ میں اگر ماں باپ اپنی مرضی کو لڑکی پر ٹھونسنا چاہتے تھے تو شریعت کے دائرہ میں اس کا حل ممکن تھا۔لڑکی کی اجازت کے بغیر ولی کو نکاح کا حق نہیں ہے اور اگر لڑکی کوئی رشتہ پسند کرتی ہے اور ماں باپ پسند نہیں کرتے تو وہ اپنی ناپسندیدگی کی وجہ بیان کرکے لڑکی کو سمجھا سکتے ہیں لیکن اگر ماں باپ برداری کے باہر نکاح کردینے کے لئے تیار نہ ہوں خواہ لڑکا کتنا ہی نیک ہو تو لڑکی معروف طریقہ پر کسی کو اپنا وکیل بنا کر نکاح کرسکتی ہے کیونکہ اسلام عصبیتوں سے بالاتر ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔

عورتوں کا اجنبی مردوں کے ساتھ میل جول سخت قابلِ اعتراض بات ہے اور میل ملاپ بڑھا کر چوری چھپے آشنائیاں کرنا صریح گناہ کی بات ہے۔قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں دونوں کو چوری چھپے آشنائیاں کرنے سے منع کیا گیا ہے:

وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ (النساء۔۲۵) ''اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کرنے والی''

وَلَا مُتَّخِذِیْ اَخْدَانٍ (المائدہ۔۵) ''اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کرنے والے''

یہ شرمناک حرکت مرد اور عورت دونوں کی پاکدامنی پر دھبہ ہے۔اس کے بعد خاندان میں ان کا وقار گرجاتا ہے اور لوگوں میں بھی وہ بدنام ہوکر رہ جاتے ہیں۔خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام عشق لڑانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا وہ کہتا ہے اپنی پسند کے مطابق معروف طریقہ پر نکاح کرلو اور معروف طریقہ پر جو نکاح کیا جائے گا وہ شرعی احکام کے مطابق ہوگا

اور باوقار طریقہ اختیار کرنے کی وجہ سے کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔

رہا سول میرج (Civil Marriage) کا معاملہ تو یہ شریعت سے صریح انحراف ہے کیونکہ ایسی شادیاں اسپیشل میرج ایکٹ (Special Marrige Act 1954) کے تحت رجسٹرڈ کی جاتی ہیں اس ایکٹ کا اسلامی شریعت سے جو تصادم ہے اس کا اندازہ درج ذیل امور سے ہوگا:

۱) اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ شادی بغیر مہر کے ہوتی ہے اور عورت کو شوہر سے مہر کا مطالبہ کرنے کا قانوناً حق نہیں ہوتا جبکہ اسلامی شریعت میں مہر نکاح کا لازمہ ہے خواہ اس کی ادائیگی فوری ہو یا بعد میں اور خواہ اس کی مقدار طے شدہ ہو یا غیر طے شدہ۔

۲) مذکورہ ایکٹ کے تحت طلاق کورٹ ہی کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ بھی ان بنیادوں میں سے کسی ایسی بنیاد پر جو ایکٹ میں درج ہیں جبکہ شریعت نے مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے۔

۳) اگر مرد اور عورت دونوں اپنی مرضی سے جدا ہونا چاہیں تب بھی مذکورہ ایکٹ کی رو سے جدا نہیں ہوسکتے بلکہ انہیں کورٹ ہی میں جانا ہوگا جبکہ شریعت نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔

۴) مذکورہ ایکٹ کے مطابق شادی کے تین سال بعد ہی کورٹ سے طلاق کے لئے درخواست دی جاسکتی ہے اس سے پہلے نہیں خواہ شوہر اور بیوی کے درمیان کتنی ہی ناچاقی کیوں نہ پیدا ہوجائے۔ اسلامی شریعت نے ایسی کوئی صورت نہیں رکھی ہے کہ مرد ایسی عورت سے چھٹکارا حاصل نہ کرے جس سے اس کا نباہ نہ ہوتا ہو یا عورت ایسے مرد سے

چھٹکارا حاصل نہ کرے جو اس کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہو۔ اس نے مرد کے لئے طلاق کی اور عورت کے لئے خلع کی راہ کھلی رکھی ہے اور بہ صورت آخر عدالت کے ذریعہ فسخ نکاح کی اور اس کیلئے میعاد کی کوئی قید نہیں ہے۔

۵) مذکورہ ایکٹ کے مطابق کورٹ کے ذریعہ علاحدگی کی صورت میں مرد کو عورت کا نفقہ تاحیات ادا کرنا ہوگا الا یہ کہ عورت دوسری شادی کرلے جبکہ شریعت صرف عدت تک نفقہ دینے کا حکم دیتی ہے۔

۶) مذکورہ ایکٹ کے تحت شادی رجسٹرڈ ہوجانے کے بعد مرد اور عورت دونوں پر وراثت کے تعلق سے انڈین سکسیشن ایکٹ (Indian Succession Act 1925) لاگو ہوگا یعنی شریعت کا قانون وراثت ان پر لاگو نہیں ہوگا۔ وراثت کے مذکورہ قانون میں اور شرعی قانون میں زمین آسمان کا فرق ہے تفصیل کا موقع نہیں۔

۷) مذکورہ ایکٹ کے تحت جو شادی ایک مرتبہ رجسٹرڈ ہوگئی تو پھر اس ایکٹ سے کبھی بھی چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اب یہ طوق عمر بھر کے لئے گردن میں پڑ گیا۔ کوئی شخص توبہ کرکے مسلم پرسنل لاء کو اپنے اوپر نافذ کرانا چاہے تو نہیں کرسکتا۔

اس وضاحت کے بعد کیا اس بات میں شک کے لئے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت شادی رجسٹرڈ کرانا اسلامی شریعت سے صریح انحراف ہے۔ ایسے لوگوں کو جو شرعی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں قرآن میں کتنی سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں:

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (النساء۔۱۴)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرے گا اسے وہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔''

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ۔ (المائدہ۔ ۴۴)

''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔''

اور موجودہ دور کا ایک بہت بڑا فتنہ بین المذہبی شادیاں Inter Religious Marriages ہیں بعض مسلمان جو الٹرا سیکولرسٹ (Ultra Secularist) ہوتے ہیں مشرک عورتوں سے شادی کرنے میں بھی باک محسوس نہیں کرتے اور بعض مسلمان عورتیں بھی ایسی ہوتی ہیں جو محبت میں گرفتار ہوکر غیر مسلم مردوں سے شادی کر لیتی ہیں ۔ اسلام ایسی شادیوں کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اور ایسا نکاح سرے سے منعقد نہیں ہوتا نیز یہ ایمان کے لئے سخت خطرہ کی بات ہوتی ہے اس لئے قرآن میں اس کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ (البقرہ۔۲۲۱)

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔''

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔ (البقرہ۔۲۲۱)

''اور مشرکوں کو اپنی عورتیں نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔''

اگر مسلمان اللہ کے احکام کی پرواہ نہ کریں اور شریعت سے بغاوت کر کے غیر اسلامی قوانین کا سہارا لیں تو دنیا میں اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر برستا رہے گا اور آخرت میں تو ایسے لوگوں کیلئے آگ کا شدید عذاب ہے جس سے بچنے کی ہر مسلمان کو فکر بھی کرنا چاہئے اور دعا بھی۔

کُفوُ

(نکاح میں برابری)

مسلم معاشرہ میں مرد کے لئے تو آزادی ہے کہ وہ جس مسلمان عورت سے چاہے نکاح کر لے لیکن عورت کے لئے حسب ونسب کے معیار قائم کر دئے گئے ہیں جن کو نظر انداز کر کے عورت کا کسی مرد سے نکاح کرنا آسان نہیں ۔نسل ونسب، برادری اور اونچ نیچ کے تصورات کے زیر اثر ولی عورت کو اپنی پسند کے مطابق شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتا جس کی وجہ لڑکیوں کی شادی میں غیر معمولی تاخیر ہو جاتی ہے اور کتنی ہی لڑکیاں شادی سے محروم رہ جاتی ہیں۔ اونچ نیچ کے تصورات مسلمانوں نے غیر مسلموں سے قبول کئے ہیں ورنہ اسلام میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی دین ہے اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل دینی اخوت کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ اسلام رنگ ونسل اور قوم وقبیلہ کو عزت وشرافت کا معیار قرار نہیں دیتا بلکہ اس کے نزدیک عزت وشرافت کا معیار تقویٰ ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔(الحجرات۔ ۱۳)

''لوگو ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے

تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔''

اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

یَاایُّھَاالنَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌوَّاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَافَضْلَ لِعَرَبِیٍ عَلَی اَعْجَمِیٍّ وَلَاعَجَمِیٍ عَلَی عَرَبِیٍّ وَلَالِاَحْمَرَ عَلَی اَسْوَدٍ وَلَااَسْوَدَ عَلَی اَحْمَرٍ اِلَّابِالتَّقْوٰی ۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہی ہے۔ اور تم سب کا باپ بھی ایک ہی ہے۔ سنو! عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے۔ سرخ رنگت والے کو سیاہ رنگت والے پر بھی کوئی فضیلت نہیں اور نہ سیاہ رنگت والے کو سرخ رنگت والے پر کوئی فضیلت ہے بجز تقویٰ کے۔''

اسلام نے مسلمانوں کے درمیان نکاح کو اگر مرد و عورت پاکدامن ہوں بالکل جائز قرار دیا ہے اور نسل و نسب اور پیشہ وغیرہ کی کوئی شرط نہیں رکھی کہ اس لحاظ سے اگر مرد عورت کا کفو (برابری) کا نہ تو نکاح نہیں ہوسکتا۔ لیکن فقہاء نے اجتہاد کر کے کفاءت کو اس لحاظ سے ضروری قرار دیا ہے کہ اگر عورت کسی ایسے مرد کے ساتھ نکاح کر لیتی ہے جو غیر کفو (جو برابری کا نہ ہو) ہے تو ولی اس کا نکاح عدالت کے ذریعہ فسخ کرا سکتا ہے۔ مگر اس پر قرآن وسنت کی کوئی دلیل نہیں ہے پھر کفاءت (برابری) کے مسئلہ میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں۔

''اسلام کے علاوہ جن چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے ان میں نسب، حریت، دیانت اور مالی حالت شامل ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک صرف دو امور میں کفاءت کافی ہے۔ ایک

دینداری اور دوسرے برص وغیرہ عیوب سے پاک ہونا۔ امام مالک کے نزدیک نسب، آزادی، پیشہ اور مال غیر اعتباری چیزیں ہیں۔'' (مجموعہ قوانین اسلام ج ۱ ص ۲۶۴)

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے مرد کا مسلمان ہونا اور عورت کا مسلمان یا اہلِ کتاب میں سے ہونا نکاح کے لئے شرط ہے اور یہ نصوص قرآن سے واضح ہے۔ ایک مرد مشرکہ سے نکاح نہیں کر سکتا اور ایک عورت نہ مشرک مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ اہلِ کتاب کے کسی مرد سے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ رہا نسب وغیرہ تو اسلام نے اس کو نکاح کے لئے کہیں بھی شرط قرار نہیں دیا ہے۔ نسب کی بنیاد تو طبقاتی تقسیم پر ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ عہد رسالت میں عربی النسل عورتوں کا نکاح عجمیوں سے ہوا ہے مثال کے طور پر حضرت زیدؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے۔

آزادی یعنی مرد کا غلام نہ ہونا تو چونکہ موجودہ زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں رہا اس لئے اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت نہیں رہی۔

پیشہ بھی کوئی مستقل چیز نہیں ہے۔ آج ایک شخص کا ایک پیشہ ہے تو کل دوسرا اور اسلام نے پیشہ کو عزت اور ذلت کا معیار کہاں بنایا ہے؟

جہاں تک دیانت کا تعلق ہے ایک صالح عورت کے لئے صالح مرد کا ہونا مطلوب ضرور ہے لیکن اسلام نے اس کو نکاح لئے شرط نہیں قرار دیا ہے ورنہ ایک صالح مرد کا ایک غیر صالح عورت سے نکاح جائز نہ ہوتا۔

مالی حالت بھی کوئی مستقل چیز نہیں۔ آج ایک شخص مالدار ہے تو کل وہ غریب ہوسکتا ہے اور آج غریب ہے تو کل وہ مالدار ہوسکتا ہے۔ نیز حدیث میں جب عورت کے مالدار

ہونے کی بنا پر اس سے نکاح کرنے کو فروتر قرار دیا گیا ہے تو مرد کے مالدار ہونے کو مالدار عورت کے نکاح کے لئے ضروری قرار دینا کس طرح جائز ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ عورت کے لئے مرد کا انتخاب میں عورت کی نفسیات کو ملحوظ رکھنا اور عمر وغیرہ کے لحاظ سے مرد کا عورت کے مناسب حال ہونا ایک مصلحت کی بات ضرور ہے تا کہ شوہر اور بیوی کے درمیان نباہ کی صورت پیدا ہو سکے لیکن اسے شریعت کا حکم تصور کرنا صحیح نہیں اور نہ یہ نکاح کے شرائط میں سے ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ زمانہ میں جب آفاقیت پیدا ہوگئی ہے حسب ونسب وغیرہ کی قیدیں لگانا بے سود ہے۔

اس سلسلہ میں عہد رسالت کے متعدد واقعات سے بھی ہماری رہنمائی ہوتی ہے۔ مغنی میں ہے:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ نے سالم کو گود لیا تھا اور ان کا نکاح اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عقبہ سے کر دیا حالانکہ سالم انصاری کی ایک عورت کے غلام تھے۔ بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔ اور نبی ﷺ نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا تھا کہ وہ اسامہ بن زید سے جو آپ کے غلام تھے نکاح کریں چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق اسامہ نے ان سے نکاح کیا۔۔۔۔۔۔۔متفق علیہ۔۔۔۔۔۔۔اور ان کے والد حضرت زید بن حارثہ نے نبی ﷺ کی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش اسدیہ سے نکاح کیا۔ (مغنی ج ۶ ص ۴۸۰)

کہا جاتا ہے کہ عورت کے غیر کفو میں شادی کر لینے سے عورت کے خاندان والوں کو عار محسوس ہونے لگتی ہے مگر یہ بات مرد کے غیر کفو میں شادی کر لینے سے بھی ہوتی ہے لہٰذا اگر یہ

صورت گوارا کی جاسکتی ہے تو وہ صورت بھی گوارا کی جائے۔ مصلحت کی بات اور ہے لیکن کفاءت کی بنا پر نکاح فسخ کرانے کا حق دینے کیلئے کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ اگر شریعت میں کفاءت کی یہ اہمیت ہوتی تو صراحتہً اس کا حکم دیا جاتا۔

اسلام میں نکاح کے سلسلہ میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے تفاوت کا یہ تصور یقیناً نومسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے اور اسلام کی دعوت وتبلیغ میں بھی سدراہ ہے۔ اس تصور کے علی الرغم نومسلموں سے قدیم الاسلام عورتوں کی شادی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک نومسلم ڈاکٹر نے جن کے اسلام میں حسن پیدا ہو گیا تھا ایک قدیم الاسلام عورت سے شادی کی تھی جن کی اولاد آج الحمدللہ نہایت صالح ہے۔

نومسلم سے نکاح کے سلسلہ میں یہ بات البتہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ اپنے اسلام میں پختہ ہے یا نہیں کہ عورت کے لئے آئندہ کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ رہے معاشرتی طور طریقے تو ان کا تعلق مصالح سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ برادری اور پیشہ وغیرہ کے لحاظ سے اونچ نیچ کے تصورات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ عورت کا رشتہ طے کرتے وقت مرد کی اخلاقی حالت کو دیکھنا، مزاج، عمر، تعلیم اور رہن سہن کے طریقہ میں مناسبت کو دیکھنا نکاح کے مصالح میں سے ہے جس سے اسلام نہیں روکتا اور جو نکاح کسی سنجیدہ فیصلہ کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ جذبات سے مغلوب ہو کر کیا جاتا ہے وہ بالعموم کامیاب نہیں ہوتا اسلئے اتنا بڑا قدم جلدی میں نہیں اٹھانا چاہئے۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ پاکدامن عورت کے لئے پاکدامن مرد ہی موزوں

ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ ۔ (النور۔۲۶)

''اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کیلئے۔''

نکاح کیلئے ولی

کیا عورت کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اپنا نکاح اپنی پسند کے مطابق کرے خواہ ولی راضی ہو یا نہ ہو؟ ولی کے بغیر نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ولی اپنی برادری کے باہر نکاح کرادینے کے لئے آمادہ نہ ہو اور اس بات پر مصر ہو کہ برادری ہی میں نکاح کرنا ہوگا لیکن عورت برادری کے باہر موزوں رشتہ پاکر نکاح کرنا چاہتی ہو تو آیا وہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ یہ اُبھرتے سوالات ہیں جن کا جواب فقہی مسلکوں میں مختلف ہے۔حنفی مسلک میں جائز ہے تو شافعی مسلک میں ناجائز اور ہر ایک کے اپنے اپنے دلائل ہیں ۔ اختلاف کی صورت میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن وسنت کی طرف رجوع کریں:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (النسا۔۵۹)

''اگر تمہارے درمیان اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

لہٰذا ہمیں قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ جہاں تک نابالغ لڑکی اور لڑکے کے نکاح کا تعلق ہے اسکے جواز پر قرآن وسنت کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

قرآن کی آیت اِذَا بَلَغُوْا النِّکَاحَ (یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔سورۂ۔نساء۶) اس معاملہ میں صریح ہے کہ نکاح کی عمر بلوغت ہے اور نکاح کی ضرورت بالغ مرد اور عورت ہی کو ہوتی ہے اسلئے نابالغ مرد اور عورت کے نکاح کا سوال اٹھتا ہی نہیں۔حدیث کی رو سے بھی لڑکی کی رضامندی ہی سے اس کا نکاح کیا جاسکتا ہے ۔ اگر نابالغہ کی شادی کو جائز قرار دیا جائے تو یہ مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔رہا حضرت عائشہ کی کم سنی میں نکاح سے استدلال تو اولاً حضرت عائشہ کی نکاح کے وقت عمر کیا تھی اسکے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے کیونکہ روایتوں میں بھی آتا ہے کہ حضرت عائشہ کی منگنی پہلے مطعم بن عدی کی لڑکے سے ہوگئی تھی جو بعد میں اس نے دین کے اختلاف کی بنا پر توڑ دی تو سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ کی منگنی چھ سال سے بھی کم عمر میں مطعم بن عدی کے لڑکے سے کیسے کردی تھی جبکہ عربوں میں بچپن کی شادی کا کوئی رواج نہیں تھا؟ ثانیاً یہ معاملہ نبی ﷺ سے متعلق تھا جو آپ کے لئے خصوصی طور پر جائز رہا ہوگا۔ثالثاً یہ سورۂ نساء کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے جس میں بلوغ کو نکاح کی عمر قرار دیا گیا ہے۔یہ تو ہے نابالغہ کے نکاح کا شرعی پہلو رہا قانونی پہلو تو مسلم پرسنل لاء کے باوجود رائج الوقت قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت کی شادی ۱۸ سال سے کم عمر میں کی جائے۔

رہا سورۂ طلاق کی آیت وَاِلٰی لَمْ یَحِضْنَ (جن کو حیض نہیں آیا) سے نابالغہ کے نکاح پر استدلال تو یہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں مطلقہ عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے جن کو حیض نہ آنا بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے لہٰذا اس سے مطلقہ کا نابالغ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور بالفرض اگر کسی نے نابالغ لڑکی سے نکاح کرلیا تو اس سے مباشرت تو وہ کرنہیں سکے گا

کیونکہ اس کی اجازت نہ شریعت دیتی ہے اور نہ عقل وفطرت۔ یہ پھر اگر وہ اس نابالغہ کو طلاق دیتا ہے مباشرت نہ کر سکنے کی بنا پر اس کی کوئی عدت نہ ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب آیت ۴۹ میں بیان ہوا ہے:

اِذَانَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَالَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُوْنَھَا۔(الاحزاب۔۴۹)

''جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔''

جب کہ سورۂ طلاق کی مذکورہ بالا آیت میں ان عورتوں کی عدت جن کو حیض نہ آیا ہو تین ماہ بیان ہوئی ہے معلوم ہوا کہ اس کا تعلق نابالغہ سے نہیں ہے لہٰذا یہ آیت نابالغہ کے نکاح کے لئے حجت نہیں بن سکتی۔

رہا نابالغہ لڑکی کا نکاح تو قرآن میں ولی کی اجازت کو کہیں بھی شرط کے طور پر پیش نہیں کیا گیا ہے اور نہ ولی کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ عورت کی غیرت کا تقاضا ہے اور عرف بھی یہی ہے کہ ولی اس کی اجازت سے نکاح کر دے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَافَعَلْنَ فِی اَنْفُسِھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔(البقرہ۔۲۳۴)

''پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو معروف طریقہ پر وہ جو کچھ اپنے لئے کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

اس آیت سے عورت کا خود اپنا نکاح کرنے کا حق ثابت ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

فَاِنْ طَلَقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْ بَعْدِحَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔

''پھر اگر اس نے (دو بار کے بعد) طلاق دے دی تو اب یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔''

اس آیت میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ عورت کو اپنا نکاح کرنے کا اختیار ہے۔

تیسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَااَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآاَنْ یُّقِیْمَاحُدُوْدَاللّٰہِ۔(البقرۃ۔۲۳۰)

''پھر اگر وہ بھی اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں پر مراجعت کرنے (پھر سے نکاح کرنے) میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم رکھیں گے۔''

یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مرد وعورت ولی کے بغیر ایجاب وقبول کر سکتے ہیں۔ چوتھی جگہ فرمایا گیا ہے:

وَاِذَاطَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ اِذَاتَرَاضَوْا بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔(البقرہ۔۲۳۲)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ معروف طریقہ پر باہم رضا مندی سے معاملہ طے کریں۔''

اس آیت میں بھی نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے اور اولیاء کو جو عرفاً اور عادتاً عورتوں کے نکاح کر دیا کرتے تھے منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو اپنے نکاح سے نہ روکیں جب کہ وہ معروف طریقہ پر اپنے سابق شوہروں سے باہمی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں۔

اس پر معارضہ کیا جاتا ہے کہ ان آیتوں میں ثَیِّبَـــہ (مطلقہ یا بیوہ) عورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے مگر اوّل تو شانِ نزول سے حکم کی عمومیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مزید یہ کہ باکرہ عورتوں کے نکاح کا حکم علیٰحدہ سے بیان نہیں ہوا ہے اس لئے عورت خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کو اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے کا اختیار ہے اور ولی کو اس پر، نہ جبر کرنے کا اختیار ہے اور نہ اسے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے سے روکنے کا۔

ولی کے حق میں سورۂ نور کی آیت ۳۲ وَاَنْکِحُوْا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ ''اور تم میں سے جو لوگ مجرد ہو ان کے نکاح کر دو'' بھی پیش کی جاتی ہے لیکن ایامی (مجرد) میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں تو کیا مرد ولی کے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا؟ اگر کر سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں کر سکتی؟ پھر اس آیت میں خطاب معاشرہ سے ہے نہ کہ صرف اولیاء سے۔ مزید برآں یہ آیت ولی کو نہ جبر کرنے کا اختیار دیتی ہے اور نہ عورت کے حقِ نکاح کو ولی کی طرف منتقل کرتی ہے۔

اور جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔

لَاتُنْکَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرُ وَلَاتُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنُ ۔(مسلم کتاب النکاح)

''ثیبہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہ کیا جائے اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔''

اور جب باکرہ کی اجازت ضروری قرار پائی تو ولی کی رضامندی کہاں لازم قرار پائی؟ اگر ولی کی رضامندی کو بھی لازم قرار دیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر باکرہ کو ایک رشتہ پسند ہو اور ولی اس پر رضامند نہ ہو کیا اس کو نکاح سے روک دیا جائے گا؟ اگر روک دیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ولی کی رضامندی کے بغیر باکرہ کا نکاح ہو نہیں سکتا۔ ایسی صورت میں باکرہ کی اجازت یا رضامندی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے کیونکہ کبھی ولی راضی ہوگا تو باکرہ راضی نہیں ہوگی اور باکرہ راضی ہوگی تو ولی راضی نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے اسلام عورتوں کے لئے ایسی مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتا جس کے نتیجہ میں وہ شادی سے محروم رہیں اور محرومی کی مثالیں موجودہ معاشرہ میں دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس لئے ولی کی رضامندی کو شرط قرار دینا خلاف مصلحت ہے۔

مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن فی نفسها واذنها صماتها۔
(المؤطا کتاب النکاح)

''ثیبہ اپنے معاملہ میں ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور بکر (کنواری) سے اس کے معاملہ میں اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔''

یہ حدیث صراحت کرتی ہے کہ ثیبہ کو نکاح کے معاملہ میں اختیار ہے اور وہ ولی کی رضا

مندی کی پابند نہیں ہے۔ رہی بکر (کنواری) تو وہ زیادہ شرمیلی ہوتی ہے اس لئے اس کی خاموشی کو اس کی اجازت پر محمول کیا گیا جس سے واضح ہے کہ ولی کو اپنی مرضی اس پر تھوپنے کا اختیار نہیں ہے۔

واقعات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بخاری کی روایت ہے کہ:

عن خنساء بنت خذام ان اباها زوجها وهی ثیب فکر هت لک فاتت رسول الله صلی الله علیه وسلم فر د نکاحه (البخاری کتاب النکاح)

''خنساء بنت خذام سے روایت ہے کہ وہ ثیبہ تھی اور اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا جو اسے پسند نہیں تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اس کا نکاح رد کر دیا۔''

دوسرا واقعہ وہ ہے جسے نسائی نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے:

عن عائشه ان قتاده دخلت علیهافقالت ان ابی زوجنی ابن اخیه لیرفع بی خیسته وانا کارهة قالت اجلسی حتی یأتی النبی ﷺ فجاء رسول ﷺ فاخبرته فارسل الی ابیها فدعاه فجعل الامر الیها فقالت یارسول الله قداجزت ماصنع ابی ولکن اردت ان اعلم النساء من الامرشیء۔ (النسائی۔ کتاب النکاح)

''حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ قتادہ ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا تا کہ میرے ذریعہ اس کی خست کو دور کرے جب کہ میں اسے پسند نہیں کرتی۔ حضرت عائشہ نے کہا نبی ﷺ کے تشریف لانے تک بیٹھی

رہو۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اس نے آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ نے اس کے والد کو بلا بھیجا اور عورت کو اختیار دیا۔ عورت نے کہا یا رسول اللہ میرے والد نے میرا نکاح کر دیا ہے اسے میں برقرار رکھتی ہوں۔ میں دراصل یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا عورتوں کو اپنے نکاح کا حق ہے؟''

یہ واقعہ باکرہ سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ امام نسائی نے باب باندھا ہے'' باکرہ کا نکاح اس کا باپ اس کی نارضامندی کے باوجود کر دے۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر باپ (ولی) نے باکرہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا ہو تو باکرہ کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کر دے۔

ان حدیثوں کے مقابلہ میں کچھ ایسی حدیثوں کو پیش کیا جاتا ہے جو ان کی معارض ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک حدیث ترمذی کی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ لانکاح الابولی۔ (الترمذی۔ ابواب النکاح)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں۔''

اس کے ایک راوی ابو اسحاق ہیں جو مدلس ہیں (تہذیب ج ۸ ص ۹۶) اور اس کے دوسرے راوی شریک بن عبداللہ کے بارے میں متعدد محدثین نے کہا ہے کہ وہ سئی الحفظ ہیں اور بہ کثرت غلطیاں کرتے ہیں۔ نسائی اور دار قطنی کہتے ہیں وہ قوی نہیں ہیں۔ (تہذیب ج ۴ ص ۳۳۳)

اس حدیث کی اسناد دوسرے طریقہ پر بھی ہے جس کے ایک راوی اسرائیل ہیں جن کے بارے میں محدثین کی مختلف رائیں ہیں۔ محدثین نے انہیں ضعیف کہا ہے اور ابن حزم

نے ان کی کئی حدیثیں رد کردی ہیں۔(تہذیب ج ۱ ص۲۹۰)

تیسرے طریقہ کی اسناد ابوعوانہ ہیں جن کا اصل نام وضاح بن عبداللہ یشکری ہے۔ان کے بارے میں متعدد محدثین کی رائے یہ ہے کہ وہ جب لکھی ہوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو صحیح ہوتی ہے لیکن جب یادداشت سے بیان کرتے ہیں تو بہ کثرت غلطیاں کرتے ہیں۔ ابوحاتم کی یہی رائے ہے۔ابن مدینی کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں عجیب وغریب باتیں ہوتی ہیں۔(تہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۶)

چوتھے طریقہ کی اسناد میں یونس بن ابی اسحاق ہیں جن کے بارے میں محدثین کی رائیں مختلف ہیں۔علی بن المدینی سے منقول ہے کہ وہ شدید غفلت برتتے ہیں۔امام احمد بن حنبل ان کی حدیث کو حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔(تہذیب ج۱۱ص ۴۳۳)

ان تمام طریقوں سے اسناد امام ترمذی نے باب میں **ما جاء لا نکاح الا بولی** بیان کی ہیں اور حدیث کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کو بھی نقل کردیا ہے۔جن صحابہ سے یہ روایت بیان کی گئی ہے اس میں حضرت عائشہ کا نام بھی ہے جب کہ حضرت عائشہ نے اپنی بھتیجی کا نکاح اس کے باپ عبدالرحمٰن کی غیر موجودگی میں کردیا تھا(تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص۲۲۹)اگر وہ اس حدیث کی راوی ہوتیں کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں تو اپنے بھائی کا انتظار کئے بغیر اس کی لڑکی کا نکاح کیسے کردیتیں؟ علاوہ ازیں اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا اطلاق ثیبہ پر بھی ہوگا کیونکہ ''ولی کے بغیر نکاح نہیں''میں بکر کی کوئی قید نہیں جب کہ ثیبہ کے بارے میں بدلائل واضح ہو چکا کہ اسے اپنے نفس پر اختیار ہے۔

دوسری حدیث جس سے نکاح کے لئے ولی کو شرط کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ترمذی کی

درج ذیل حدیث ہے:

حدثنا ابن ابی عمر اخبرنا سفیان بن عیینة عن جریج عن سلیمان عن الزهری عن عروة عن عائشه ان رسول الله ﷺ قال : ایماامرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل ، فنکا حها باطل ، فنکاحها باطل ۔ فان دخل بها فلها المهر بماأستحل من فرجها فان اشتجروا فالسلطان ولی من لاولی له ۔(الترمذی۔ابواب النکاح)

''ابن ابی عمر نے ہم سے بیان کیا،ہمیں سفیان بن عیینہ نے خبر دی۔وہ جریج سے اور وہ سلیمان سے اور وہ زہری سے اور وہ عمر سے اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے،اس کا نکاح باطل ہے،اس کا نکاح باطل ہے۔پھر اگر اس سے(مرد نے) مباشرت کی تو اس مباشرت کو حلال کردینے کی بنا پر عورت کے لئے مہر ہے اور اگر اولیاء کے درمیان نزاع ہوجائے تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔''

امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے مگر ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں متعدد پہلوؤں سے کلام کی گنجائش ہے:

اولاً یہ حدیث عنعنہ کے ساتھ مروی ہے جس کے ایک راوی زہری ہیں اور جب زہری سے اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کیا(تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۲۲۸۔۲۳۱)اس لئے زہری کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔

ثانیاً اس کے ایک راوی سلیمان بن موسیٰ اموی ہیں جن کے بارے میں محدثین کے

مختلف اقوال ہیں۔امام بخاری کہتے ہیں'' ان کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔''نسائی کہتے ہیں وہ فقیہ ہیں لیکن حدیث میں قوی نہیں ۔ابن مدینی کہتے ہیں ان کا حافظہ موت سے پہلے خراب ہوگیا تھا۔(تہذیب ج ۴ ص۲۲۶۔۲۲۷)

ثالثاً اس کے ایک راوی ابن جریج ہیں جو مشہور ثقہ راوی ہیں لیکن تدلیس کیا کرتے تھے اور انہوں نے ستر عورتوں سے متعہ کیا تھا اور اس کو جائز سمجھتے تھے۔احمد بن حنبل کہتے ہیں ابن جریج کی بعض مرسل حدیثیں موضوع ہوتی ہیں (میزانِ الاعتدال ج ۲ ص ۶۵۹)امام مالک کہتے ہیں ابن جریج حاطب اللیل ہیں۔دارقطنی کہتے ہیں وہ بری طرح تدلیس کرتے تھے۔ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔(تہذیب ج ۶ ص ۴۰۲)

رابعاً یہ روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے جب کہ حضرت عائشہ نے اپنی بھتیجی کا نکاح ولی کی غیر موجودگی میں کر دیا تھا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی اس لئے اس حدیث کی نسبت حضرت عائشہ کی طرف صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

خامساً اس حدیث میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ایسے نکاح پر مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے۔اگر نکاح ہی سرے سے باطل ہوا تو اس پر مہر کا کیا سوال؟ اور ایسی صورت میں تو تعزیر لازم آجاتی مگر حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

سادساً اس حدیث میں باکرہ کی کوئی صراحت نہیں ہے اس لئے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے باطل ہونے کا اطلاق ثیبہ پر بھی ہوگا جب کہ بدلائل واضح ہو چکا کہ ثیبہ کو اپنے نفس پر اختیار ہے۔

سابعاً حدیث میں اولیاء کے تنازع کا ذکر ہے اور پھر اس کا حل یہ پیش کیا گیا ہے کہ

سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں حالانکہ مسئلہ اولیا کے موجود ہوتے ہوئے ان کے تنازع کا ہے۔اس لئے اس کے متن کو حدیث رسول باور کرنا مشکل ہے۔

ان وجوہ سے یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف حدیث حجت نہیں ہوتی لہٰذا اس حدیث کو بلا اجازت ولی باکرہ کے نکاح کو باطل قرار دینے کی دلیل بنانا صحیح نہیں۔

تیسری حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کو ولی کی شرط کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

حدثنا جميل بن الحسن العتكى ، ثنامحمد بن مروان العقيلى ، ثنا هشام ابن حسان ، عن محمد بن سيرين عن ابى هريرة ، قال قال رسول الله ﷺ لاتزوج المرأة المرأة ولاتزوج العرأة نفسهان فان الزانية هى التى تزوج نفسها۔ (ابن ماجہ کتاب النکاح)

''جمیل بن حسن عتکی نے ہم سے بیان کیا، ہم سے محمد بن مروان عقیلی نے بیان کیا، ہم سے ہشام ابن حسان نے بیان کیا۔ وہ محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں، وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورت عورت کا نکاح نہ کرے اور عورت خود اپنا نکاح بھی نہ کرے کیونکہ زانیہ اپنا نکاح خود کرتی ہے۔''

اس حدیث کے راوی جمیل بن حسن عتکی ہیں جن کے بارے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کوئی روایت نہیں لکھی۔عبدان کہتے ہیں وہ کذاب اور فاسق ہے اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے کہ وہ غیر مانوس روایتیں بیان کرتے ہیں۔(تہذیب ج ۲ ص ۱۱۳)اس حدیث کے دوسرے راوی محمد بن مروان عقیلی ہیں جن کے بارے میں بھی محدثین کے اقوال مختلف ہیں عبداللہ بن احمد اپنے والد سے بیان کرتے

ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا وہ حدیثیں بیان کررہے تھے لیکن میں نے ان کو نہیں لکھا اور دانستہ ان کو ترک کردیا (تہذیب ج ۹ ص ۴۳۵) مطلب یہ کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہیں۔ اس طرح اسناد کے اعتبار سے یہ حدیث ضعیف ہے جو حجت نہیں بن سکتی۔ علاوہ ازیں اس حدیث کا مطلب اس کے آخری فقرہ سے واضح ہے یعنی کوئی عورت زانیہ کی طرح اپنا نکاح نہ کرے۔ ظاہر ہے زانیہ بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کرتی ہے اور اس کا کوئی اعلان نہیں ہوتا لیکن شرعی نکاح میں گواہوں کا اور اعلان کا ہونا ضروری ہے اور مذکورہ حدیث میں اس کے بغیر نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عورت اپنا نکاح از خود نہ کرے بلکہ کسی مرد کو مقرر جو اس کا نکاح پڑھائے۔ بہر صورت اس حدیث میں ولی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور جہاں تک فقہاء کی آراء کا تعلق ہے امام ابوحنیفہ ولی کو جو بالغہ کے نکاح کے لئے شرط نہیں قرار دیتے لیکن امام شافعی کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ امام مالک ولی کی اجازت کو اتمام نکاح کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں نہ کہ صحت نکاح کے لئے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ولی نکاح کے لئے شرط ہے۔ اور جہاں تک مسلم پرسنل لاء کا تعلق ہے عورت کے نکاح کے اختیار کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

23. (3) (a)Under Hanafi and Ismaili Shite law She becomes competent when being of sound mind She attains puberty.

(b) Under the Shafi'i and Malki law.a 'thayyiba' is Competent so to contract but not a woman who is a

virgin; the marriage of an adult virgin governed by the Shafi'i law , contracted by her father without her consent. has however been held not to be valid. (Mulim Law by Tayabji P.47)

ولایت نکاح کے مسئلہ پر ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے مجموعہ قوانین اسلامی میں تفصیلی اور مدلل بحث کی ہے اور اخیر میں اپنا تجزیہ پیش کیا ہے کہ:

''مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ معاہدۂ نکاح کے اصل فریق مرد اور عورت ہیں نہ کہ ان کے ولی۔ اس لئے ایک بالغ اور عاقل عورت کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ بلا وساطت ولی اپنا نکاح کرنے پر قادر ہوا۔''

(مجموعہ قوانین اسلامی۔ مطبوعہ پاکستان ج ۱ ص ۱۰۰)

بالغہ کے نکاح کے لئے ولی کو شرط قرار دینے والے کہتے ہیں کہ اگر یہ اختیار باکرہ کو حاصل ہو تو وہ الٹے سیدھے فیصلے کرے گی موجودہ زمانہ میں تو لڑکی کے باپ کے بارے میں بھی یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو بیچ دیتے ہیں اور کتنے ہیں جو اپنی برادری کے باہر نکاح کردینے کے لئے تیار نہیں ہوتے جس کی وجہ سے عورتوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ لہٰذا اولیاء کو اختیار دے کر لڑکیوں کو بے بس کرنا ہوگا۔ اور شریعت کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہوسکتا۔ شریعت نے جس طرح مرد کو اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے اسی طرح عورت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرنے کا اختیار دیا ہے اور ولی کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی اس پر تھوپے البتہ مناسب اور پسندیدہ بات عورت کے حق میں یہ ضرور ہے کہ ولی کے توسط سے یا کسی مرد کو اپنا وکیل بنا کر نکاح کرے۔ عورت کے

غیرت اور حیاء داری کا یہ تقاضا ضرور ہے کہ وہ براہ راست اپنا نکاح نہ کرے۔

خلاصہ یہ کہ شریعت نے بالغہ عورت کو اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے اور ولی کو نکاح کے انعقاد کے لئے نہ شرط قرار دیا ہے اور نہ ولی کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی عورت پر تھوپے البتہ عورت کے نکاح کا ولی کے ذریعہ انجام پانا مستحسن بھی ہے اور معروف بھی کیونکہ یہ عورت کی حیاداری کا تقاضا ہے نیز عورت جس کے زیر کفالت ہو اس سے حسن سلوک کا تقاضا بھی۔

بہر حال ولی کو بلا وجہ نظر انداز کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے اور نہ شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ لڑکیاں لڑکوں سے عشق لڑائیں اور پھر ولی کے لئے مسئلہ کھڑا کر دیں۔ انہیں چاہئے کہ اپنے رشتہ کے تعلق سے کوئی ایسا غیر معروف طریقہ اختیار نہ کریں جس سے ولی کو شرمندگی اٹھانا پڑے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ اگر عورت کا باپ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیتا ہے تو اس نکاح کو برقرار رکھنا یا فسخ کرنا عورت کی مرضی پر منحصر رہے گا جیسا کہ نسائی کی قتادہ کے نکاح والی حدیث سے جو اوپر بیان ہوئی واضح ہے۔

رشتۂ مودّت ورحمت

مرد عورت کے رشتہ میں احکام کی محض خانہ پوری کی حد تک پابندی مطلوب نہیں ہے بلکہ اس رشتہ میں مودت ورحمت کی چاشنی بھی مطلوب ہے۔ اسی سے ازدواجی تعلقات میں خوبی پیدا ہو جاتی ہے اور دونوں اپنے کو ایک جان دو قالب سمجھنے لگتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کو ایک نعمت کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور یہ انسانی فطرت کا تقاضا بھی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (الروم۔۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی۔''

مرد کو عورت سے جو سکون حاصل ہوتا ہے اس کا تصور حدیث میں اس طرح پیش کیا گیا ہے:

اَلَّتِیْ تَسُرُّهُ اِذَا نَظَرَ۔ (مشکوۃ کتاب النکاح براویۃ النسائی)

''شوہر جب اپنی بیوی کو دیکھے تو خوش ہو جائے۔''

مگر موجودہ معاشرے میں عورت مرد کے درمیان ناچاقی کے واقعات بہ کثرت ہو رہے ہیں آغاز شکوہ شکایت سے ہوتا ہے اور پھر نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کے پانچ بنیادی اسباب ہیں:

پہلا سبب تو مزاجوں کا اختلاف ہے۔عورت تیز وطرّار ہوتی ہے اور مرد غصہ والا۔ پھر کیا ہے بات بات پر تکرار ہوتی ہے اور دونوں کے زندگیاں تلخ ہوکر رہ جاتی ہیں عورتیں بالعموم زبان درازی کی عادی ہوتی ہیں کیونکہ ان میں تحمل کی بڑی کمی ہوتی ہے اور زبان درازی کی وجہ سے بات بگڑ جاتی ہے اور مرد اسے اپنی ہتک سمجھنے لگتا ہے۔مردوں میں بھی بہ کثرت لوگ تند مزاج ہوتے ہیں اور معمولی بات پر عورت پر برہم ہوجاتے ہیں اور ایسے بھی ہوتے جو ظلم وزیادتی پر اتر آتے ہیں۔

دوسرا سبب مرد کا فسق وفجور میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ شراب کے نشہ میں مست رہتا ہے اور بیوی کو بلاوجہ مار پیٹ کرنے لگتا ہے۔ بدکلامی اور فحش گالیاں بکنے سے بھی نہیں چوکتا۔ ایسے مرد کے ساتھ عورت نباہ کرے تو کیسے؟

تیسرا سبب ساس بہو کے جھگڑے ہیں۔ بہو ساس کا احترام نہیں کرتی اور نہ ساس بہو کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرتی ہے۔مرد بیوی کے لئے علحدہ رہائش کا انتظام نہیں کرتا اور اسے اپنے ماں باپ کے ماتحت رہنے کیلئے مجبور کردیتا ہے۔اسے اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ماحول کافی بدل گیا ہے۔کالج کی تعلیم اور ٹی۔وی وغیرہ نے عورت کی نفسیات پر کافی اثر ڈالا ہے۔ اب وہ شوہر کی فرمانبردار بن کر رہے تو بڑی بات ہے کجا یہ کہ شوہر کے عزیز واقارب کے ماتحت رہے۔تعلیم یافتہ عورتیں اپنا گھر آپ بسانا چاہتی ہیں اور ساس اور خسر کے ماتحت رہنے میں گھٹن محسوس کرتی ہیں۔شوہر کو اگر ان بدلے ہوئے حالات کا اندازہ نہیں ہے تو اسے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چوتھا سبب شوہر کا بیوی کو تنہا چھوڑ کر کسی غیر ملک میں ملازمت کے لئے جانا ہے۔اسے

ایک سال یا دو سال بعد ہی چند دن کی چھٹی مل جاتی ہے۔طویل عرصہ تک شوہر کی غیر موجودگی کی وجہ سے بیوی کی حقوق ادا نہیں ہو پاتے۔اسے یا تو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے یا بالکل تنہا جس کے نتیجہ میں بعض اوقات ناخوشگوار واقعات پیش آتے ہیں جن کو سن کر شوہر کو حیرت ہوتی ہیں اور بالآخر نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔

پانچواں سبب ٹوٹنے ٹوٹکے پر شوہر یا بیوی کا اعتقاد ہے۔اس وہم پرستی میں مبتلا ہوکر باواؤں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور پھر شیطان کو ایک دوسرے سے بدگمان کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ باوا سفلی اعمال کا چکر چلاتے ہیں جو نہ صرف باہمی تعلقات کو خراب کرنے والے ہوتے ہیں بلکہ ایمان کو بھی سلب کرتے ہیں۔

ان اسباب کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

رشتہ کرتے وقت مزاج کی مناسبت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ایک اگر گرم مزاج ہے تو دوسرے کو نرم مزاج ہونا چاہئے ورنہ گھر کا ماحول گرم ہی رہے گا۔عام طور سے یہ بات کافی خیال کی جاتی ہے کہ مرد صاحب حیثیت ہے یا اس کی آمدنی کا ذریعہ اطمینان بخش ہے لیکن یہ بات سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی کہ آیا دونوں کے مزاج ایسے ہیں کہ نباہ ہوسکے؟ اسی طرح دونوں کی دینی اور اخلاقی حالت پر نظر ڈالنا ضروری ہے کہ آیا دونوں میں سے کسی کی زندگی فاسقانہ تو نہیں ہے۔ایک شرابی مرد عورت کے لئے وبال جان ہوتا ہے اور ایک بداخلاق عورت مرد کے لئے بہت بڑی مصیبت۔اس لئے رشتہ طے کرتے وقت اس پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔

ساس اور بہو کے جھگڑوں سے بچنے کی بھی صورت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کے لئے

شروع ہی سے رہائش کا علیٰحدہ انتظام کردے اوراس کی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرے ساتھ ہی اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اوران کے حقوق خود ادا کرے۔ بیوی کیلئے رہائش کا علاحدہ انتظام کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنے ماں باپ سے بے پرواہ ہوجائے۔ جہاں بیوی کے لئے آزادانہ ماحول ضروری ہے وہاں اپنے ماں باپ کے لئے بھی آزادنہ ماحول ضروری ہے۔ بیوی اپنے طریقے پر رہے اور ماں باپ اپنے طریقے پر۔اسی صورت میں ساس بہو کے تعلقات بہتر ہوسکتے ہیں۔

وطن چھوڑ کر باہر ملازمت کے لئے جانا تا کہ زیادہ سے زیادہ کمایا جاسکے خواہ بیوی بچوں کے حقوق ادا نہ ہوں صحیح طرز عمل نہیں ہے۔ یہ صورت تو بدرجہ مجبوری اور وقتی طور پر ہی اختیار کی جاسکتی ہے ہاں اگر باہر ملازمت کرتے ہوئے بیوی بچوں کو ساتھ رکھنے کی سہولت ہوتو پھر حرج نہیں ہے لیکن پھر بچوں کی تعلیم کا مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے خاص طور سے ذریعہ تعلیم کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔اس لئے اس سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ورنہ آگے جا کر بچوں کے تعلیمی کردار پر اثر پڑے گا۔

ٹونے ٹونکے میں ضعیف الایمان لوگ مبتلا ہوجاتے ہیں۔ یہ محض وہم پرستی ہے اور حقیقت کچھ بھی نہیں۔قرآن کریم میں ایسی باتوں کے پیچھے پڑنے سے منع کیا گیا ہے جن کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں۔وَلَاتَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (اور جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو۔سورۂ بنی اسرائیل ۔۳۶) اس سلسلہ میں باواؤں کی طرف رجوع کرنا اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔وہ بالکل جھوٹی باتیں کرتے ہیں اور سفلی اعمال میں مبتلا کرتے ہیں۔شیطان کے اثرات سے بچنے کے لئے اللہ پر ایمان اور توکل، نماز کی

پابندی، قرآن کریم کے تلاوت اور خاص طور سے معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) کی بہ کثرت تلاوت اور تقوی کی زندگی کافی ہے۔ باوا تو پیسے بٹورنے کے لئے لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں اس لئے ان کے پاس پھٹکنا بھی نہیں چاہئے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ آدمی کے اندر اگر اللہ کا تقویٰ ہو اور وہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچتا ہو کہ اس سے گناہ تو لازم نہیں آئے گا اور کسی کی حق تلفی تو نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے بچاتا ہے اور اس کی رہنمائی فرماتا ہے:

قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ۔ (التغابن۔۱۱)

''اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے۔''

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ اصل ہدایت دل کی ہدایت ہے اور یہ ہدایت اللہ کی کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے اور جب حاصل ہوتی ہے تو انسان کی پوری زندگی صالح بن جاتی ہے اور قدم قدم پر اسے اللہ کی رہنمائی حاصل ہوجاتی ہے۔ازدواجی تعلقات کی بہتری کا انحصار بھی تقوی ہی پر ہے۔

بیوی کا نفقہ

اسلام نے عورت پر کمانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے بلکہ مرد پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ عورت پر خرچ کرے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَااَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۔ (النساء۔۳۴)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں اس بنا پر کہ مرد اپنا مال (ان پر) خرچ کرتے ہیں۔''

اور بیوی کے نفقہ کا واجب ہونا قرآن کریم کی متعدد آیات سے واضح ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ وَ مَنْ قُدِرَعَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّااٰتَاهُ اللّٰهُ ۔ (الطلاق۔۷)

''صاحب حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔''

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِلَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (البقرۃ۔۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ اور بچہ کے باپ کو معروف طریقہ سے ان کو کھانا اور کپڑا دینا ہوگا۔''

ایک جگہ فرمایا:

مِنْ اَوْسَطِ مَاتُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ۔ (المائدۃ۔۸۹)

''اوسط درجہ کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔''

اور حدیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے جو خطبہ دیا اس میں عورتوں کے تعلق سے یہ ہدایت بھی شامل تھی:

ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف ۔ (مسلم کتاب الحج)

''تم پر ان کو معروف کے مطابق کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے کی ذمہ داری ہے۔''

ایک اور حدیث میں اس کی ترغیب اس طرح دی گئی ہے:

اذاانفق المسلم نفقة على اهله وهو يحتسبها كانت له صدقة۔ (البخاری کتاب النفقات)

''جب ایک مسلمان اپنے اہل پر خرچ کرتا ہے اور اس پر اجر کا امیدوار ہوتا ہے تو اس کے لئے وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔''

نیز فرمایا: **انک لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الااجرت عليها حتى ماتجعل في فم امر اتک۔** (البخاری کتاب الایمان)

''تم اللہ کی رضا جوئی کے لئے جو خرچ بھی کروگے اس پر تمہیں اجر ملے گا یہاں تک کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالوگے اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا۔''

نفقہ ہر حال میں واجب

بیوی خواہ امیر ہو یا غریب ہر حال میں اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے کیونکہ شریعت نے

مطلقاً ان کا نفقہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسے استاد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

ولذلک تجب ولو کانت الزوجة۔ (غنیۃ الاحوال الشخصیۃ۔۲۶۹)

''اس لئے نفقہ واجب ہے خواہ بیوی غنی ہو۔''

مسلم پرسنل لاء میں بھی یہ صراحت موجود ہے:

The wife is entitled to maintenance from her husband though she may have the means to maintain herself. (Muslim Law by Tayabji P.258)

''بیوی اپنے شوہر سے نفقہ پانے کی مستحق ہے اگر چہ وہ اپنے اوپر خرچ کے وسائل رکھتی ہو۔'' (مسلم لا۔طیب جی۔ص۔۲۵۸)

البتہ اگر وہ ناشزہ یعنی نافرمان ہو اور شوہر کا گھر چھوڑ کر چلی گئی ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوگا لیکن امام ابن حزم ظاہری کے نزدیک اس صورت میں بھی واجب ہوگا اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ نافرمان ہونے کی وجہ سے اس کا کھانا پینا تو بند نہیں کیا جا سکتا اور کیا عجب کہ نافرمانی کے باوجود نفقہ ادا کرنے کی صورت میں بیوی کو غیرت محسوس ہو اور وہ شوہر کے گھر واپس لوٹ آئے۔

اگر عورت مرد کے ظلم کی وجہ سے شوہر کا گھر چھوڑ کر میکے چلی گئی ہو تو اس صورت میں شوہر کو نفقہ ادا کرنا چاہئے اور مسلم پرسنل لاء میں بھی یہ صراحت موجود ہے:

or she leaves the husband's house on account of his cruelty. (Mohamedan Law by Mulla P.300)

''اگر عورت شوہر کا گھر اس کے ظلم کی وجہ سے چھوڑتی ہے تو مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ

نفقہ ادا کرے۔'' (محمڈن لا۔ملا۔ص ۳۰۰)

اگر عورت شوہر کی اجازت سے کہیں ملازمت کرتی ہے تو اس صورت میں بھی اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا البتہ اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت کرتی ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

''بیوی کا اگر کوئی پیشہ ہے یا وہ ملازمہ ہے جس کی وجہ سے اسے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے اور کچھ وقت کے لئے اسے شوہر سے دور رہنا پڑتا ہے اور شوہر کے روکنے کے باوجود وہ اس کام سے نہیں رکتی تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں اسے پوری طرح گھر میں رکا ہوا نہیں رہنا پڑتا اور اس کا شوہر کی اطاعت نہ کرنا بغیر کسی حقیقی سبب کے ہے۔ البتہ اگر شوہر اسے گھر سے باہر کام کرنے سے نہ روکے تو پھر اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا کیونکہ عورت کی گھر میں موجودگی میں کمی اس کی رضامندی سے ہے۔''

(الاحوال الشخصیۃ۔ڈاکٹر احمد الغندور۔کویت ص ۲۴۷۔۲۴۸)

اگر عورت کو شوہر نے طلاق دی ہے تو عدت تک اسے نفقہ دینا ہوگا خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن (یعنی غیر رجعی)۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ۔ (الطلاق۔۶)

''ان کو (عدت کے دوران) اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو جیسی کچھ حیثیت ہو۔ان کو تنگ کرنے کے لئے نہ ستاؤ۔اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔''

یعنی مطلقہ عورتوں کو عدت تک اپنے ہی گھر میں رہنے دو اور اپنی حیثیت کے مطابق انہیں اچھی جگہ رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ اچھی جگہ ہونے کے باوجود انہیں گھٹیا جگہ پر چھوڑ دو۔ عدت کے دوران انہیں تکلیف دے کر تنگ کرنا تا کہ وہ شوہر کا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں ہر گز روا نہیں۔ مطلقہ اگر حاملہ ہے تو اس کا وضع حمل ہونے تک اس کے نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔ کیونکہ عدت ختم ہونے سے پہلے عورت دوسرا نکاح کرنے کے لئے آزاد نہیں ہے ایسی صورت میں اس کی رہائش اور اس کے خرچ کا ذمہ دار کون ہوگا ؟ تیسری طلاق کی صورت میں بھی عدت تک رہائش اور نفقہ کی ذمہ داری کا شوہر پر عائد ہونا حضرت عمر کی اس حدیث سے بھی واضح ہے جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور جس میں حضرت عمر نے فاطمہ بنت قیس کو جواب دیا تھا اور سورۂ طلاق کی آیت **لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَايُخْرِجْنَ** ۔۔۔۔۔۔ سے استدال کرتے ہوئے فرمایا تھا:

لانترک کتاب اللہ وسنۃنبینا ﷺ لقول امرأۃ لاندری لعلھا حفظت اونسیت لھا السکنی والنفقۃ۔ (مسلم کتاب الطلاق)

''ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس نے حدیث کو محفوظ رکھا یا اس سے بھول ہوئی۔ مطلقہ (بائنہ) کے لئے (رہائش) بھی ہے اور نفقہ بھی۔''

عدتِ وفات میں اگر عورت حاملہ ہے تو وضعِ حمل تک اس کا نفقہ شوہر کے ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا کیونکہ سورۂ طلاق کی آیت ۶ میں حاملہ عورتوں پر خرچ کرنے کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے۔

فقہ السنۃ میں ہے: ''یہ آیت حاملہ کے نفقہ کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ خواہ وہ رجعی طلاق کی عدت میں ہو یا بائن طلاق کی عدت میں یا عدت وفات میں ہو۔''

(فقہ السنۃ سید سابق ج ۲ ص ۱۸۲)

اور اگر عورت حاملہ نہیں ہے تو اسے چار ماہ دس دن شوہر کے گھر پر عدت گزارنی ہوگی اس صورت میں فقہاء نفقہ کے قائل نہیں ہیں لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس کا نفقہ شوہر کے ترکہ سے ادا نہ کیا جائے کیونکہ وفات پانے والے شوہروں کو ایک سال تک بیوی کے نفقہ اور گھر سے ان کو نہ نکالنے کی وصیت کرنے کی ہدایت سورۂ بقرہ آیت ۲۴۰ میں دی گئی ہے۔

نفقہ میں کیا چیزیں شامل ہیں؟

نفقہ میں بیوی کا کھانا پینا، لباس، رہائش کے لئے مکان اور دوسری وہ چیزیں جو زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہیں شامل ہیں مثلاً بستر، تیل صابن وغیرہ۔ نظافت کی چیزیں علاوہ ازیں دوائیں علاج معالجہ موجودہ تمدن کی ناگزیر ضرورتیں ہیں۔

قرآن کریم میں عورتوں کے ساتھ معروف (بھلا) سلوک کرنے اور اپنی حیثیت کے مطابق ان کو کھلانے اور پہنانے کی ہدایت دی گئی ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے یہ تاکیدی حکم دیا کہ:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ۔ (البخاری کتاب احادیث الانبیاء)

''عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔''

لہٰذا وہ تمام چیزیں جو بیوی کے لئے ضروری ہیں مہیا کی جانی چاہئیں اور اس معاملہ میں اعتدال کی راہ اختیار کرنا چاہئے۔ نہ تو اسراف کیا جائے اور نہ بخیلی اور نہ اپنی حیثیت سے

بڑھ کر خرچ کیا جائے کہ زیر بار ہونا پڑے۔ پھر عرف کا بھی اعتبار ہوتا ہے اس لئے کیا چیزیں ضروری ہیں اور کی نہیں اس کے لئے موجودہ عرف کا لحاظ کیا جائے۔ کویت کے عائلی قانون کی دفعہ ۷۵ میں کہا گیا ہے:

تشمل النفقة الطعام ، والكسوة ، والسكن ، ومايتبع ذٰلك من تطبيب، وخدمة ، وغيره هماحسب العرف۔ المادة(۷۵)

'' نفقہ میں کھانا، کپڑا، رہائش اور علاج اور خدمت جیسی عرف کے مطابق چیزیں شامل ہیں۔''(الاحوال الشخصية.للدكتور احمدالغندور ص ٦٦٦)

دواؤں اور علاج معالجہ سے موجودہ زمانہ میں ہرگز صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ چیزیں اب زندگی کا جزء بن گئی ہیں لہٰذا یہ کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے کہ بیوی بیمار پڑے اور شوہر اس کے علاج کی کوئی فکر نہ کرے؟ اگر کوئی شوہر ایسا کرتا ہے تو اسے بے پرواہی اور غیر ذمہ دارانہ برتاؤ ہی کہا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام بیوی کے ساتھ برتاؤ کے معاملہ میں ضابطہ کی خانہ پوری کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان الفت اور محبت پیدا ہو اس لئے شوہر دینے کے معاملہ میں وسعتِ قلب کا ثبوت دے اور بیوی شوہر کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کرے اور جو خدمت اس سے بن پڑے اس سے دریغ نہ کرے۔

اگر شوہر بخیل ہے اور بیوی بچوں کی ضرورتیں پوری نہیں کرتا تو بیوی کے لئے یہ جائز ہے کہ شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر بقدر کفایت خرچ کرے۔ حدیث میں آتا ہے:

جاء ت هند بنت عتبه فقالت يا رسول الله ان ابا سفيان رجل مسيک فهل على حرج ان اطعم من الذى له عيالناقال لاالابالمعروف ۔
(البخاری کتاب النفقات)

''ہند بنت عتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ابوسفیان بخیل شخص ہے تو کیا اس میں حرج ہے کہ اس کے مال میں سے اپنے بال بچوں کو کھلا یا پلایا کروں؟ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو مگر معروف طریقہ پر کرسکتی ہو۔''

معروف کی حد تک خرچ کیا جاسکتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ جس خرچ کو مناسب کہا جاسکے۔ نبی ﷺ کے حصہ میں جب فے کا مال آیا تو اپنی ازواج کو سال بھر کی خوراک عطا کرتے رہے:

ان النبى ﷺ كان يبيع نخل بنى النضير ويحبس لا هله قوت سنتهم۔(البخاری۔کتاب النفقات)

''نبی ﷺ بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے اور اپنی ازواج کے لئے سال بھر کی خوراک کے بقدر روک لیا کرتے تھے۔''

نفقہ ادا نہ کرنے پر قانونی چارہ جوئی

نفقہ عورت کا قانونی حق بھی ہے لہٰذا اگر کوئی مرد عورت کو معلق رکھتا ہے اور اس کا نفقہ ادا نہیں کرتا تو وہ قانونی چارہ جوئی کرسکتی ہے ۔(Family Court) میں مقدمہ پیش کیا جاسکتا ہے کورٹ نفقہ کی رقم طے کر کے ماہ بماہ ادائیگی کا حکم شوہر کو دے گا۔ اگر شوہر نے طلاق دی ہے تو عدت تک نفقہ ادا کرنا شوہر کی قانونی ذمہ داری ہے۔

رہائش کے لئے مکان

مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جہاں رہتا ہے وہاں اپنی بیوی کو بھی رکھے۔قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے کہ:

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجد کم ولاتضاروھن لتضیقوا علیھن۔ (الطلاق۔٦)

''ان کو ایسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق۔اور ان کو تکلیف دے کر تنگ نہ کرو۔''

اس آیت سے واضح ہوا کہ شوہر کو چاہئے کہ بیوی کو اپنے ساتھ اسی گھر میں رکھے جس گھر میں وہ رہتا ہے۔رہائش کا یہ انتظام شوہر اپنی حیثیت کے مطابق کرے۔اگر اللہ نے کشادگی بخشی ہے تو ایسی مکان میں رکھے جہاں سہولتیں ہوں اور اطمینان کے ساتھ زندگی گزاری جاسکے۔موجودہ تمدن میں فلیٹ (Flat) ضروریاتِ زندگی میں شامل ہو گئے ہیں کیونکہ ضروری سہولتیں فلیٹ ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔لیکن اگر شوہر کے معاشی حالات اچھے نہیں ہیں تو ایک کمرہ بھی کافی ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس میں شوہر اور بیوی کے سوا کسی کا دخل نہ ہو۔عورت کو اپنی مرضی کے مطابق رہنے کی آزادی ہونی چاہئے۔اس پر صرف شوہر کا حکم چلے گا ورنہ اس کے لئے تکلیف دہ صورت ہوسکتی ہے جبکہ مذکورہ آیت میں عورتوں کو تکلیف دینے اور تنگ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

ہمارے معاشرے میں شوہر اور بیوی کے درمیان ناچاقی کے جو واقعات بہ کثرت پیش آرہے ہیں اس کی بہت بڑی وجہ رہاش کا نامعقول انتظام اور شوہر کا بیوی کو اپنے ماں باپ

اور بہنوں کے ماتحت کر دینا ہے۔ساس اور بہو کے جھگڑے جن سے بہت کم گھر خالی ہوں گے ان ہی طور طریقوں کا نتیجہ ہیں۔مرد کو اپنے والدین کے ساتھ یقیناً حسن سلوک کرنا چاہئے اور وہ جس مدد کے مستحق ہوں ان کی مدد بھی کرنا چاہئے لیکن اپنی بیوی کو ان کے ماتحت کرنے کا حکم شریعت نے کہاں دیا ہے؟ اور یہ حکم کہاں دیا ہے کہ سب کا باورچی خانہ ایک ہو؟ اور سب سے زیادہ افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ جس کمرہ میں مرد کے والدین رہتے ہیں اسی کمرہ میں وہ بیوی کو شادی کر کے لاتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کمرہ میں دوسرے رشتہ دار بھی رہتے ہیں۔نتیجہ یہ کہ نہ صرف باہمی تعلقات خراب ہوجاتے ہیں اور لڑنے جھگڑنے کا ماحول بن جاتا ہے بلکہ اخلاقی خرابیاں بھی پیدا ہوجاتی ہیں شرم وغیرت کو زبردست ٹھیس لگتی ہے۔اب اگر ان معاشرتی خرابیوں کو دور کرنا ہے تو رہائش کے اس ڈھانچہ کو لازمہً بدلنا ہوگا اور جو شخص بیوی کے لئے علیحدہ کمرہ کا انتظام نہ کرسکتا ہو اس کو اس وقت تک شادی نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ یہ لازمی چیز اسے حاصل نہ ہو جائے کیونکہ شادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت کو بیاہ کر کے لایا جائے اور اسے پریشانیوں میں ڈالا جائے۔

قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے کہ: **وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔** (النور۔٣٣)

''اور جو لوگ نکاح کی مقدرت نہ رکھتے ہوں وہ پاکدامنی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔''

سورۂ نور میں نابالغ بچوں کو بھی اس بات کا پابند بنانے کی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ تین

اوقات میں یعنی نمازِ فجر سے پہلے، دوپہر کو جو قیلولہ کو وقت ہوتا ہے اور نمازِ عشاء کے بعد اجازت لے کر ماں باپ کے کمرہ میں داخل ہو جائیں ۔قرآن نے ان اوقات کو **ثَلاثُ عَوْرَاتٍ لَکُمْ** کہا ہے یعنی یہ اوقات پردہ کے ہیں۔اس سے واضح ہوا کہ مرد عورت کے لئے خلوت کا انتظام ضروری ہے اور خلوت کے اوقات میں کسی کو بھی یہاں تک کہ نابالغ بچوں کو بھی بغیر اجازت کے اندر داخل نہیں ہونا چاہئے۔

کتاب **الفقه علی المذاهب الاربعة** میں احناف کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ:

''جہاں تک رہائش کا تعلق ہے شوہر پر واجب ہے کہ وہ ایسے مکان میں بیوی کو رکھے جو دونوں کے حسبِ حال ہو اور شوہر کے رشتہ دار اور اس کے بچے وہاں نہ رہتے ہوں بجز اس کے کہ چھوٹا طفل ہو جو مباشرت کو نہ سمجھتا ہو۔ ایسے طفل کے رہنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔''(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۴ ص ۵۵۶)

استاذ ابو زہرہ لکھتے ہیں:

اسی طرح مکان کا شوہر کے رشتہ داروں سے خالی ہونا ضروری ہے جب کہ ان کے رہنے سے عورت کو تکلیف ہوتی ہو۔''(**الاحوال الشخصية ص ۲۸۳**)

اور ڈاکٹر احمد الغندور (استاذ شریعت جامعہ کویت) لکھتے ہیں:

''رہائش گاہ کا شوہر کے رشتہ داروں سے خالی ہونا ضروری ہے۔''(الاحوال الشخصیۃ ص ۲۵۱)

کویت کے عائلی قانون کی دفعہ (۸۶) میں کہا گیا ہے:

''یہ بات واضح ہے کہ شوہر اپنے چھوٹے غیر ممیز بچوں کو اپنی بیوی کے ساتھ رکھنے کے

لئے مجبور ہے اور ان کے اس ساتھ رہنے میں بیوی کے لئے تکلیف کا کوئی احتمال نہیں ہے۔''

اور آگے کہا گیا ہے:

جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اسے اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ رکھا اور بیوی نے تکلیف محسوس کی تو شوہر بیوی کو ان کے ساتھ رہنے کے لئے مجبور نہیں کرسکتا۔''(الاحوال الشخصیۃ۔الغندور۔ص ۲۵۱)

واضح رہے کہ ایک ساتھ رکھنے کی گنجائش اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ کمرے الگ الگ ہوں۔ بیوی کی شب باشی کے کمرہ میں کسی کو نہیں رکھا جاسکتا بجز اطفال کے۔

شام کے عائلی قانون کی دفعہ ۶۹ میں کہا گیا ہے:

لَیْسَ لِلزَّوْجِ اِسکان احدٍمِن اقارب مع زوجة سوی ولده الصغیر غیر المُمَیِّز اذا ثبت ایذاء هم لها ۔

''شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ رکھے سوائے اپنے چھوٹے غیر ممیز بچہ کے جبکہ اس کے رشتہ داروں سے بیوی کو تکلیف پہنچتی ہو۔''

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن مجموعہ قوانینِ اسلام میں لکھتے ہیں:

''مرد پر واجب ہے کہ وہ عورت کو علیحدہ مکان میں رکھے یا مکان کے کسی علیحدہ حصے میں جس کا راستہ علیحدہ ہو۔''(مجموعہ قوانینِ اسلام ج ۱ ص ۳۰۸)

عورت اور کسبِ معاش

عورتوں کے کسبِ معاش کا مسئلہ بھی ایک اُبھرتا مسئلہ ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین بالعموم خود کفیل بننا پسند کرتی ہیں اس لئے ان کا رجحان ملازمت کی طرف ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں جن کو مدِ نظر رکھ کر کوئی مناسب شکل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک پہلو تو یہ ہے کہ اسلام نے عورت پر کسبِ معاش کی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے بلکہ شوہر یا باپ یا قریبی رشتہ داروں پر جیسی کچھ صورت ہو ذمہ داری ڈالی ہے الا یہ کہ مجبوری کی صورت میں اسے اپنی گزر بسر کے لئے کچھ کرنا پڑے۔ قرآن نے مرد کو جو قوامیت کا درجہ دیا ہے تو اس کے ساتھ اس پر یہ ذمہ داری بھی ڈالی ہے کہ عورتوں کو فطرۃً وہ بوجھ اٹھانا پڑتے ہیں جو مردوں کو نہیں اٹھانا پڑتے مثلاً شوہر کی خدمت، حاملہ ہونے کی تکلیف، زچگی کی تکلیف، بچوں کو دودھ پلانا اور ان کی پرورش اور تربیت کرنا وغیرہ۔ اگر اس بوجھ کے ساتھ کسبِ معاش کا بوجھ بھی ڈال دیا جاتا تو مردوں کے مقابلہ میں ان کا بوجھ دوگنا ہوتا اس لئے اسلام نے یہ بوجھ ان پر نہ ڈال کر ان کے ساتھ انصاف کیا ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت ایک نازک آبگینہ ہے جس کی ہر طرح حفاظت کی جانی چاہئے۔ ورنہ بہ آسانی یہ چکنا چور ہوسکتا ہے۔ عورت کی عصمت وعفت اس کا جوہر ہے اور شرم وحیاء اس کی زینت ہے موجودہ کاروباری مصروفیات اور ملازمتیں ایسی ہیں کہ اخلاقی

اقدار کو ملحوظ رکھنا، وقار کے ساتھ کام انجام دینا اور شرعی حدود کی پابندی کرنا مشکل ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ موجودہ تمدن نے ایسی ضرورتیں پیدا کی ہیں کہ صنفِ نازک کو گوناگوں خدمات انجام دینا پڑتی ہیں مثلاً عورتوں کے لئے طبی خدمات، گرلز اسکولوں اور کالجوں میں ٹیچر کی حیثیت سے نیز لڑکیوں کے مدرسوں میں معلّمہ کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دینا، خواتین کیلئے تبلیغی اور اصلاحی اجتماعات کا نظم کرنا، ان کیلئے سلائی کی کلاسوں کا انتظام کرنا، صنعتی اور حرفتی شعبوں میں جو عورتوں کیلئے مخصوص ہوں کام کرنا، لڑکیوں کیلئے کمپیوٹر کلاسیس چلانا۔ یہ چند جائز کاموں کے مثالیں ہیں بشرطیکہ وہ مرد وزن کے اختلاط سے پاک ہوں۔ اگر عورت شوہر کی اجازت سے اس قسم کی کوئی خدمت انجام دے رہی ہو اور وہ اس کے لئے آمدنی کا ایک ذریعہ بن گئی ہو تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں ہے البتہ اگر اس کے چھوٹے بچے ہیں تو ان کی پرورش کی طرف سے بے اعتنائی برتنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

بیواؤں اور غیر شادی شدہ عورتوں کیلئے بھی مذکورہ خدمات انجام دینے میں حرج نہیں ہے جبکہ ان کے حصول معاش کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ مصطفیٰ سباعی لکھتے ہیں:۔

''اس بات سے کوئی شخص بھی اختلاف نہیں کرے گا کہ جب عورت کی کفالت کرنے والا نہ ہو نہ کوئی قریبی رشتہ دار ہو، اور نہ بیت المال اس کی کفالت کرتا ہو تو اس کیلئے جائز ہے کہ اپنے معاش کے حصول کیلئے کام کرے۔'' (المراۃ بین الفقہ والقانون ص ۱۷۰)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں عورتوں کو معاشی عمل سے روکا نہیں گیا ہے کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے بھی وہ کوئی کام نہ کرسکیں۔ ان کی ضروریات کو سامنے رکھتے

ہوئے اسلام نے ان کے لئے بھی معیشت کی راہیں کھلی رکھی ہیں۔

جہاں تک گھر سے باہر نکل کر کام کرنے کا تعلق ہے قرآن کریم میں مدین کی وہ نیک کردار اور حیادار لڑکیوں کا قصہ بیان ہوا ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے کنویں پر آئی تھیں اور انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہمارے ابا بہت بوڑھے ہیں:

وَوَجَدَمِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ قَالَ مَاخَطۡبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوۡنَاشَيۡخٌ كَبِيۡرٌ۔(القصص۔ ۲۳)

''اور (موسیٰ نے) دیکھا کہ ان سے الگ دو عورتیں اپنے مویشیوں کو روکے کھڑی ہیں۔اس نے ان سے پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاسکتیں جب تک چرواہے اپنے جانور ہٹا نہ لیں اور ہمارے ابا بہت بوڑھے ہیں۔''

اور عدت کے زیرِ عنوان ہم ایک حدیث نقل کر آئے ہیں جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میری خالہ کی طلاق ہوئی تو انہوں نے چاہا کہ اپنے باغ کی کھجوریں توڑ لیں لیکن ایک شخص نے ان کو باہر نکلنے پر ڈانٹا۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔آپ نے فرمایا نہیں تم جاؤ اور اپنے باغ کی کھجوریں توڑو۔ممکن ہے تم اس میں سے صدقہ کرو یا اور کوئی بھلائی کا کام کرو۔'' (صحیح مسلم۔کتاب الطلاق)

جب عورت کو عدت میں باہر نکل کر اپنے باغ کی کھجوریں توڑنے کے اجازت دی گئی ہے تو عام حالات میں اپنی معاشی ضروریات کے لئے باہر نکلنے کی اجازت بہ درجہ اولیٰ ہوگی بشرطیکہ وہ شرعی حدود میں رہ کر یہ کام انجام دے۔

عہد رسالت میں عورتیں اپنی معاشی ضرورتوں کے لئے باہر نکلا کرتی تھیں جس کا ثبوت حضرت اسماء بنت ابوبکر کا واقعہ ہے۔

''حضرت اسماء بنت ابوبکر کہتی ہیں کہ حضرت زبیر نے مجھ سے نکاح کیا۔ان کے پاس نہ مال تھا اور نہ غلام اور نہ کوئی اور چیز بجز ان کے گھوڑے کے۔اس گھوڑے کو میں چراتی، اس کیلئے خوراک فراہم کرتی اور اس کی نگرانی کرتی۔اس کے اونٹ کیلئے کھجور کی گٹھلیاں کوٹتی، اس کو چراتی اور پانی پلاتی۔ڈول کو سی دیتی اور آٹا گوندھتی لیکن میں روٹی اچھی پکا نہیں سکتی تھی اس لئے انصار کی ہمسایہ عورتیں روٹی پکا کر دیتیں۔یہ عورتیں بڑی مخلص تھیں۔میں زبیر کی زمین سے جو رسول ﷺ نے انہیں عطاء کی تھی کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر اٹھا کر لاتی۔یہ زمین مدینہ سے تین فرسخ (دو میل) کی دوری پر تھی۔ایک روز میں وہاں سے اپنے سر پر گٹھلیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے نکلی تو راستہ میں رسول اللہ ﷺ اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ گزرتے ہوئے دکھائی دئے۔آپ نے مجھے بلایا تاکہ میں آپ کے پیچھے اونٹ پر سوار ہو جاؤں لیکن مجھے شرم محسوس ہوئی اور (میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ) آپ کی غیرت یاد آئی۔میرے شوہر نے کہا واللہ تمہارا اپنے سر پر گٹھلیوں کا بوجھ اٹھانا آپ کے ساتھ سوار ہونے سے زیادہ سخت تھا۔اس کے بعد حضرت ابوبکر نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی نگرانی کے لئے کافی ہوا اور گویا انہوں نے مجھے آزاد کر دیا۔'' (مسلم کتاب السلام)

اس روایت سے نہ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت اسماء کس طرح محنت و مشقت کے ساتھ زندگی گزار رہی تھیں اور اپنے شوہر کے ساتھ کیسا تعاون کر رہی تھیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں عورتیں شرعی حدود میں رہتے ہوئے کس طرح اپنی

گزر بسر کیلئے گھر سے باہر نکلا کرتی تھیں اور محنت ومشقت کے کام کرتی تھیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام سے پہلے کا ہوگا مگر اس شبہ کا ازالہ حضرت اسماء کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو زمین کا ایک قطعہ عطاء کیا تھا اور قطعات کا عطاء مال فئے کے حصول کے بعد ہی کی بات ہے لہٰذا یہ واقعہ پردہ کے احکام کے نزول کے بعد ہی کا ہوسکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام نے عورت کیلئے بھی کسبِ معاش کی راہ کھلی رکھی ہے اور پردہ کی ایسی پابندی عائد نہیں کی ہے کہ عورت باہر نکل کر کوئی کام نہیں کرسکتی لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ مرد وزن کا اختلاط ہو اور شرم وحیا کی پاسداری نہ رہے۔ عورت کے باہر نکلنے کے تعلق سے جو پابندیاں اسلام نے عائد کی ہیں ان کا لحاظ بہر حال اسے کرنا ہوگا مثلاً یہ کہ وہ زینت کا اظہار نہیں کرسکتی، غیر محرم کے ساتھ خلوت میں نہیں رہ سکتی البتہ پردہ کے احکام میں یہ رخصت ہے کہ وہ اپنا چہرہ اور پہنچوں تک اپنے ہاتھ کھلے رکھ سکتی ہے اور اس رخصت کے ہوتے ہوئے بہت سارے کام انجام دئے جاسکتے ہیں۔

خلع

ازدواجی زندگی کا ایک بڑا مسئلہ جس سے ہمارا معاشرہ دوچار ہے عورت کا مرد کی گرفت میں ایسا جانا ہے کہ مرد کی بدسلوکی سے وہ کتنی ہی تنگ کیوں نہ آ گئی ہو مرد سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی راہ اپنے لئے نہیں پاتی حالانکہ شریعت نے اس کے لئے خلع کی راہ کھلی رکھی ہے۔ مگر مرد کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ عورت کو تنگ کرتا رہتا ہے۔ نہ اسے طلاق دیتا ہے اور نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت کو اسلام نے خلع کا حق دیا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے: **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَاللّٰہِ فَلَاجُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ۔** (البقرۃ۔۲۲۹)

''تو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں ان کے لئے کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ دے کر چھٹکارا (خلع) حاصل کرلے۔''

حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکنے کا مطلب ازدواجی زندگی میں احکام الٰہی کی پابندی نہ کرنا ہے یعنی شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرسکے اور ان میں باہم محبت کی جگہ نفرت کی صورت پیدا ہوجائے۔ اس صورت میں عورت کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے شوہر سے خلع حاصل کرلے جس کیلئے وہ اپنے شوہر کو کچھ مال کی پیشکش کرسکتی ہے یا مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس کرسکتی ہے۔ لیکن اگر شوہر عورت کی پیشکش کو قبول کرنے اور اسے خلع دینے کیلئے آمادہ نہ

ہوتو پھر خلع حاصل کرنے کیلئے اسلامی عدالت میں جاسکتی ہے اوراسلامی عدالت کو یہ اختیار ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہوئے کہ زوجین حدوداللہ کوقائم نہ رکھ سکیں گے خلع نافذ کردے اورعورت کواس شوہر سے چھٹکارامل جائے۔

آیت فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَاللّٰہِ ''اگرتمہیں اندیشہ ہوکہ وہ دونوں حدوداللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے'' کا خطاب مسلم معاشرہ سے ہے اسی لئے خفتم ''تم اندیشہ محسوس کرو'' جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اورمسلم معاشرہ کی نمائندگی اسلامی عدلیہ کرتی ہے لہٰذا مذکورہ آیت کی رو سے خلع واقع کرنے کا اختیار اسلامی عدالت کو حاصل ہوجاتا ہے جبکہ شوہر اپنی بات پر مصر ہو۔

ہندوستان میں چونکہ اسلامی عدالتیں نہیں ہیں اس لئے اورمسائل کی طرح خلع کا مسئلہ بھی مشکل ہوجاتا ہے۔اس کا حل یہ ہے کہ دارالقضا کو جوامارت شرعیہ وغیرہ کے زیراہتمام قائم ہیں عورت کے مطالبہ پرخلع کرانے کا قانونی حق دیاجائے جبکہ قاضی یہ محسوس کرے کہ دونوں ایک دوسرے کے شرعی حقوق ادانہ کرسکیں گے۔

لیکن بحالاتِ موجودہ حکومت سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دارالقضاء کوکوئی قانونی حیثیت دینے کیلئے آمادہ ہوگی ۔ایسی صورت میں اس کے سواکوئی چارہ کارنہیں ہے کہ موجودہ عدالتوں کوجہاں انفساخ نکاح (Dissolution of Muslim Marriages) کا اختیار دیا گیاہے وہاں اسے ضلع کا اختیار بھی دیاجائے۔

کہا جاسکتا ہے کہ جب عدالتوں کیلئے فسخ نکاح کا قانون موجود ہے تو خلع کا مزید اختیار دینے کی کیاضرورت ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قانون فسخ نکاح (Dissolation of

Muslim Marriage Act 1939) میں فسخ نکاح کے دعوے کے لئے کچھ بنیادیں (Grounds) بیان ہوئی ہیں مثلاً شوہر کی طرف سے ظلم ،نفقہ کی عدم ادائیگی ، ایسے عیوب جو رشتہ ازدواج پر اثرانداز ہونے والے ہوں وغیرہ جن میں سے کسی نہ کسی بنیادکوثابت کئے بغیر عدالت نکاح فسخ نہیں کرسکتی اوراس کارروائی میں کافی عرصہ لگ جاتا ہے لیکن خلع کا مجوزہ اختیار دینے کی صورت میں عورت کوطویل عدالتی کارروائی نہیں کرنا پڑے گی ۔ عدالت کا یہ اطمینان کرلینا کافی ہوگا کہ دونوں کے درمیان ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے یاایک دوسرے کے حقوق ادا کرسکتے یاعورت کسی حال میں شوہر کے ساتھ رہنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔اس مقدمہ پرعورت اورمرد کا بیان کافی ہے گواہوں کے ذریعہ کسی الزام کوثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ عورت خلع کا فدیہ (معاوضہ) شوہر کودینے کیلئے تیار ہے اوراگرشوہر کی رائے میں یہ معاوضہ کم ہے تواس سلسلہ میں عدالت مناسب فیصلہ کرسکتی ہے اورخلع کی ڈگری جاری کرسکتی ہے۔

اگرمسلمان اس سلسلہ میں آواز بلند کریں اوراپنے نمائندوں کے ذریعہ خلع کے سلسلہ میں آخری اختیار دینے کیلئے شرعی احکام کی روشنی میں قانون کاایک مسودہ تیار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کا یہ مطالبہ منظورنہ کرلیاجائے۔یہ قانون ستم رسیدہ عورتوں کے حقوق میں ہوگا اس لئے امید ہے کہ قانون سازی میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

غیر اسلامی نظام میں عدالتوں کو یہ اختیار دینا ایک اجتماعی مجبوری کی بات ہے ورنہ اسلامی عدالتوں کوخلع کا فیصلہ کرنے کا اختیار دینے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔استادابوزہرہ الاحوال الشخصیۃ میں لکھتے ہیں:۔

''اور جب خلع کا معاملہ اس طرح ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خلع جس طرح زوجین کی رضامندی سے ہوسکتی ہے اسی طرح حکمین (عورت اور مرد کی طرف سے جو حکم مقرر کئے گئے ہوں) کے حکم سے بھی ہوسکتی ہے جب کہ زوجین کے درمیان تعلقات خراب ہوگئے ہوں اور دونوں کے درمیان نفرت پیدا ہوگئی ہو۔ اس بنا پر قاضی کو چاہئے کہ وہ دو حکم مقرر کرے۔ اور ان کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ زوجین کو خلع کی صورت میں علیٰحدہ کردے۔ اور قاضی (حاکم عدالت) کو چاہئے کہ وہ اس سے موافقت کرے۔''

(الاحوال الشخصیۃ لابی زہرہ ص ۳۹۷)

اور ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن مجموعہ قوانین اسلام میں لکھتے ہیں:

''چنانچہ اگر عورت رشتہ زوجیت کو منقطع کرنا چاہے اور مرد کو اس کا بدل دینے کے لئے آمادہ ہو تو اسلام مذکورہ شرائط کے ساتھ عورت کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ حاکم وقت یا اس کی قائم کردہ عدالت میں حاضر ہوکر استغاثہ پیش کرے اور بذریعہ عدالت شوہر سے خلع حاصل کرے۔ قرآن کی آیت ''فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ'' اور ثابت بن قیس کو رسول کریم ﷺ کا حکم دینا کہ تم اپنا باغ (یا دو باغ) واپس لے لو اور اپنی زوجہ کو طلاق دے دو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ زوجین میں ناچاقی کی صورت میں عورت کی درخواست پر خلع کرانا عدالت کا فرض ہے جبکہ وہ اس پر مطمئن ہوجائے کہ فریقین کے لئے باہمی معاشرت میں احکام خداوندی کی پابندی کرنا ممکن نہیں ہے۔ ثابت بن قیس کے معاملے میں رسول کریم کا فیصلہ یقیناً اسلام کے سب سے پہلے قاضی کی حیثیت میں تھا۔

(مجموعہ قوانین اسلام شائع کردہ حکومت پاکستان ص ۵۹۲۔۵۹۳)

آگے چل کر موصوف لاہور ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کا جو ۱۹۵۹ء میں دیا گیا تھا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعد ازاں ایک مشہور مقدمہ بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام، ۵۶ میں فاضل ججان جسٹس شبیر احمد، جسٹس بی۔ زیڈ کیکاؤس اور جسٹس مسعود احمد صاحبان نے یہ قرار دیا کہ اگر عدالت اس نتیجہ پر پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت (بیوی سے مناسب معاوضہ شوہر کو دلوا کر) خلع کرا سکتی ہے یہ نقطۂ نظر صحت پر مبنی ہے اور اسی نقطہ نظر کو سپریم کورٹ (پاکستان) نے بمقدمہ خورشید بیگم اختیار کیا ہے۔ (پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۶۷ء سپریم کورٹ صفحہ ۹۷)

ہم سمجھتے ہیں خلع کیلئے یہ قانون سازی موجودہ حالات میں اسی طرح ضروری ہوگئی ہے جس طرح قانون انفساخ نکاح ۱۹۳۹ء کیلئے ضروری ہوگئی تھی۔ اس لئے امید ہے کہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔

خلع کا واقعہ عہدِ رسالت میں

بخاری میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ: **ان امراۃ ثابت بن قیس اتت النبی ﷺ فقالت یارسول اللہ ثابت بن قیس ما اعتب علیہ فی خلق ولادین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام فقال رسول اللہ ﷺ اتردین علیہ حدیقتہ قالت نعم قال رسول اللہ ﷺ اقبل الحدیقۃ وطلقھاتطلیقۃ۔**

(البخاری۔ کتاب الطلاق)

''ثابت بن قیس کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے

رسول ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین کے معاملہ میں مجھے کوئی شکایت نہیں لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کا باغ واپس کروگی؟ اس نے کہا ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس سے فرمایا باغ واپس لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔''

اس حدیث سے درجِ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

(۱) اگر عورت نکاح کے بعد شوہر کو ناپسند کرے اس طور سے کہ اس کے حقوق ادا کرنے سے اپنے کو قاصر پاتی ہو تو وہ خلع لے سکتی ہے۔ ثابت بن قیس کی بیوی نے یہ جو کہا کہ ''میں اسلام میں کفر ناپسند کرتی ہوں۔'' تو اس کا مطلب یہی تھا کہ میں اپنے اسلام کو داغ دار بنانا نہیں چاہتی۔ شوہر کے حقوق ادا نہ کرنے کو اس نے عملی کفر سے تعبیر کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شوہر کے تعلق سے اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کو کتنا بڑا گناہ سمجھتی تھی اور جب اس نے اپنے کو اس سے قاصر پایا تو خلع کی درخواست کی۔

(۲) عورت کو شوہر کی شکل وصورت سے طبعاً نفرت ہوسکتی ہے اور یہ خلع کے لئے ایک معقول سبب ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت محض شوہر بدلنے کی خواہش کے پیشِ نظر خلع لے لے۔ جب طلاق اسلام میں ایک ناپسندیدہ چیز ہے تو خلع بھی ناپسندیدہ ہوگی۔ اس کا جواز صرف ضرورۃً ہے۔

(۳) خلع میں عورت شوہر کو مال دے کر اپنے کو اس کے نکاح سے آزاد کرلیتی ہے۔ قرآن نے مال کی مقدار کا کوئی تعین نہیں کیا لیکن مذکورہ حدیث سے معلوم

ہوتا ہے کہ عورت اپنا پورا مہر واپس کرسکتی ہے۔ اس سے زیادہ کا مطالبہ شوہر کو نہیں کرنا چاہئے اور عدالت بھی مہر کی رقم سے زیادہ نہ دلوائے۔ اور عورت کے پاس زیادہ دینے کے لئے کچھ ہو بھی تو؟ لیکن اگر عورت کے پاس شوہر کا دیا ہوا اور مال بھی موجود ہے اور وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے تو عورت اس قیمت پر بھی خلع لے سکتی ہے فقہاء نے اس صورت کو جائز کہا ہے۔

(۴) خلع کی صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی جیسا کہ حدیث سے واضح ہے مگر یہ طلاق دوسری طلاقوں سے مختلف ہوگی کیونکہ اس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوگا البتہ زوجین باہم رضامندی سے پھر نکاح کرسکتے ہیں۔

(۵) خلع اگر شوہر اور بیوی کی باہم رضامندی سے نہ ہو تو قاضی (اسلامی عدالت) کو یہ حق ہے کہ وہ شوہر پر خلع نافذ کردے۔ مذکورہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ (دیکھئے فقہ السنہ السید سابق ج ۲ ص ۲۹۹)

(۶) خلع کی عدت ایک ماہواری ہے چنانچہ ترمذی کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے ایک خلع لینے والی عورت کو ایک حیض تک عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ امام ترمذی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (ترمذی ابواب النکاح) واضح رہے کہ اس عدت میں دوسرا نکاح کرنے سے ایک ماہواری تک رک جانا ہے۔ اس میں عورت کے لئے زیب وزینت وغیرہ ممنوع نہیں ہے۔ اور وہ اپنے گھر والوں میں عدت گزار سکتی ہے چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی اہلیہ خلع کے بعد اپنے گھر والوں میں بیٹھی رہی۔ (ابوداؤد۔ کتاب النکاح)

متاعِ طلاق

(Provision for divorcee)

قرآن کریم میں طلاق کے سلسلہ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر تم عورت کو طلاق دو تو اسے خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرو:

اَوْتَسْرِیْحٌ بِاِحْسَان ۔(البقرۃ۔۲۲۹)

''یا خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرو۔''

مطلب یہ ہے کہ جو عورت تمہاری رفیقۂ حیات رہی ہے اسے بُری طرح گھر سے نکال باہر نہ کرو بلکہ اس کو رخصت کرتے وقت انسانیت، اخلاق اور ہمدردی کا ثبوت دو اور اس پر احسان کرو تا کہ طلاق سے جو صدمہ اسے پہنچنے والا ہے اس کی کسی قدر تلافی ہو جائے۔

دوسری جگہ قرآن میں واضح طور سے حکم دیا گیا ہے کہ:

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّاعَلَی الْمُتَّقِیْنَ۔ (البقرۃ۔۲۴۱)

''اور مطلقہ عورتوں کے لئے متاع ہے معروف کے مطابق یہ حق ہے متقیوں پر۔''

اس آیت میں بغیر کسی تخصیص کے ہر مطلقہ عورت کو متاع دینے کا حکم دیا گیا ہے اور چونکہ طلاق کے احکام بیان کرنے کے بعد یہ اختتامی ہدایت دی گئی ہے اس لئے اس کا تعلق

تمام مطلقہ عورتوں سے ہونا بالکل واضح ہے ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں یہی بات لکھی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''اس مسئلہ میں زبردست قول سعید بن جبیر کا ہے کہ یہ آیت نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس بات کی طرف رہنمائی کی ہے کہ ہر مطلقہ کیلئے متاع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری تمام آیتوں میں مخصوص عورتوں کو متاع دینے کا ذکر فرمایا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور یہاں عمومیت کے ساتھ تمام مطلقہ عورتوں کو متاع دینے کی ہدایت فرمائی ہے۔''

(تفسیر طبری ج ۲ ص ۳۶۴)

طبری کی رائے میں متاع کی عدم ادائیگی کی صورت میں شوہر کو قید کیا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میری رائے میں عورت کو جب طلاق دی جائے تو اس کے لئے متاع طلاق دینے والے شوہر پر حق واجب ہے جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔ شوہر کو اس کی وجہ سے اسی طرح گرفتار کیا جا سکتا ہے جس طرح مہر کی وجہ سے اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے اور وہ اس کو ادا کر کے ہی بری ہو سکتا ہے یعنی بیوی کے یا اس کے قائم مقام کے حوالہ کر کے یا پھر عورت اپنا حق ساقط کر دے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے جو عورت کے مہر نیز اس کے سابقہ واجبات کی وصولیابی کے لئے کیا جاتا ہے۔''

(تفسیر طبری ج ۲ ص ۳۳۱)

متاع کے معنی ہیں ''فائدہ کا سامان'' اور اس سے مراد وہ ہدیہ اور وہ مال متاع (Provision) ہے جو شوہر بیوی کو طلاق دے کر رخصت کرتے وقت دے تا کہ عورت کی

دلجوئی ہو، اس کو کچھ ریلیف (Relief) ملے اور مرد کی طرف سے فیاضی اور حسن اخلاق کا اظہار ہو۔

متاع کی کوئی مقدار قرآن نے متعین نہیں کی کیونکہ اس کا تعلق مرد کی مالی حالت سے ہے۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق متاع دے۔ رہے فقہاء کے اقوال تو وہ مختلف ہیں۔ کوئی تین کپڑے دینا کافی خیال کرتا ہے اور کوئی خادمہ ہبہ کرنا۔ ابنِ کثیر نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''طلاق کے متاع میں اعلیٰ چیز خادم ہبہ کرنا ہے۔ اس سے کم تر چیز چاندی کے سکے ہیں اور اس سے کم تر چیز کپڑا ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۷)

اور علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:

''اور یہ بھی کہ مرد جدائی کے موقع پر اپنی مالی حیثیت کے مطابق نقدی وغیرہ کے ذریعہ عورت کے فائدہ کا سامان کرے۔'' (حقوق النساء فی الاسلام ص ۱۷۱)

واضح ہوا کہ فقہا نے تین کپڑے دینے یا خدمت کے لئے غلام دینے کی جو بات کہی تھی اس وقت کے حالات کے لحاظ سے تھی۔ آج کے حالات میں جو چیز یا رقم معقول اور مناسب ہو اور جو مرد کی حیثیت کے مطابق بھی ہو اس کی پیشکش سے متاع کا مقصد پورا ہوسکتا ہے۔ موجودہ حالات میں ایک مطلقہ کیلئے سب سے بڑا مسئلہ اس کی رہائش کیلئے مکان کا ہوتا ہے۔ وہ عدت ختم ہونے کے بعد جائے تو کہاں جائے؟ اگر اس کے ماں باپ زندہ ہیں اور ان کے مکان میں گنجائش ہے یا قریبی رشتہ دار اس کی رہائش کا کوئی انتظام کرتے ہیں تو خیر ورنہ وہ بے چاری عورت کہاں پناہ لے؟ اگر اس کا دوسرا نکاح ہوجاتا ہے

تو یہ سب سے بہتر حل ہے لیکن موجودہ زمانہ میں تو ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ مرد اپنی بیوی کو جب وہ عمر رسیدہ ہوگئی ہو طلاق دے دیتا ہے۔ اگر اس کی اولاد ہے تو اسے ان کا سہارا لینا پڑتا ہے ورنہ بے چاری کیا کرے؟ اگر اس کے ساتھ چھوٹے بچے ہیں تو وہ کہاں سر چھپائے۔ جہاں تک بڑے شہروں کا تعلق ہے رہائش کا ایک کمرہ حاصل کرنے کیلئے لاکھوں روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے اور چھوٹے شہروں میں بھی ہزاروں روپئے صرف کئے بغیر کوئی رہائشی کمرہ نہیں ملتا۔

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے مرد کو چاہئے کہ وہ اپنی مطلقہ کو متاع دینے میں ممکنہ فرخی برتے۔ اور موجودہ حالات میں یہ بھی ضروری ہے کہ متاع طلاق (Provision of divorce) کا نفاذ عدالت کے ذریعہ کرایا جائے جس طرح نفقہ (Maintenance) کا نفاذ عدالت کے ذریعہ کرایا جاتا ہے۔ لیکن عدالتوں کے لئے متاع (Provision) کی تحدید کرنا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ شوہر کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کم از کم ایک سال کے نفقہ کے بقدر رقم اور زیادہ سے زیادہ تین سال کے نفقہ کے بقدر رقم متعین کی جاسکتی ہے۔

موجودہ معاشرہ میں عورت پر ہونے والی زیادتیوں کو ختم کرنے کے لئے اجتہاد کے بغیر چارہ کار نہیں ہے اور اجتہاد کے لئے ضروری ہے کہ کوئی بات ایسی نہ کہی جائے جو شرعی حدود سے متجاوز ہو۔

عِدَّت

عدت سے مراد وہ مدت ہے جو مطلقہ یا خلع لی ہوئی عورت کے لئے نیز اس کے لئے جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو شریعت نے مقرر کردی ہے اور جس میں کچھ احکام کی پابندی اس پر واجب ہوجاتی ہے۔ قرآن کریم میں عدت کے احکام متعدد سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ سورۂ طلاق کے آغاز میں فرمایا:

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ (سورۃ الطلاق۔۱)

''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے لئے طلاق دو۔''

اور سورۂ بقرہ میں عدت کیلئے تَرَبُّص ''اپنے کو روکے رکھنا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

عدت کی مصلحتیں

عدت کی کئی مصلحتیں ہیں:

ایک یہ کہ طلاق کی صورت میں شوہر کو عدت کے اندر (بشرطیکہ وہ تیسری مرتبہ کی طلاق نہ ہو) رجوع کا موقع رہے۔

دوسرے یہ کہ اگر عورت کو حمل ٹھہر گیا ہے اور شوہر نے طلاق دی ہے یا شوہر کا انتقال

ہوگیا ہے تو عدت کے اندر اس کا حمل ظاہر ہوجائے۔ اگر عدت کا حکم نہ دیا جاتا اور عورت فوراً دوسرے شخص سے نکاح کرتی تو بچہ کا نسب مشتبہ ہوجاتا کہ معلوم نہیں حمل پہلے شوہر سے ہے یا دوسرے شوہر سے۔

تیسرے یہ کہ جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو وہ شوہر کے احترام میں عدت تک سوگ منائے۔

چوتھے یہ کہ طلاق کی صورت میں شوہر پر عدت تک عورت کے نفقہ اور رہائش کی ذمہ داری رہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ طلاق دے کر عورت کو فوراً گھر سے بے گھر کردے۔

عدت کی مدت

عدت کی مدت مختلف صورتوں میں مختلف ہے اور اس کے احکام قرآن میں واضح طور سے بیان ہوئے ہیں:

(۱) مطلقہ عورت کو اگر ماہواری آتی ہو تو اس کی عدت تین ماہواری (Three Menstrual Period) ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔ (سورۃ البقرۃ۔۲۲۸)

''اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین حیض تک اپنے کو روکے رکھیں۔''

مطلب یہ ہے کہ جب تیسری مرتبہ ماہواری آئے تو اس کے ختم ہوتے ہی عدت ختم ہوجائے گی اس کے بعد وہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔

(۲) ان مطلقہ عورتوں کی عدت جن کو حیض نہ آتا ہو تین مہینے ہے:

وَاُولاَتِ الاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَضَعْنَ حَمَلَهُنَّ ۔ (الطلاق۔ ۴)

''اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔''

(۳) جس عورت کے شوہر کی وفات ہوئی ہو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ (البقرۃ۔ ۲۳۴)

''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑیں تو ان (بیویاں) کو چاہئے کہ چار ماہ دس دن تک توقف کریں۔''

یہ عدت عدتِ وفات کہلاتی ہے اور چار ماہ دس دن کا شمار قمری ماہ سے کیا جائے گا۔ اور وفات کے دن سے عدت شمار ہوگی۔ خواہ عورت کو وفات کی اطلاع بعد میں ملی ہو۔ اگر شوہر کی وفات مثال کے طور پر ۱۴ رجب کو ہوئی ہے تو شعبان، رمضان اور شوال کے مہینے مکمل سمجھے جائیں گے اور ذی قعدہ کے ۲۳ دن ملا کر چار مہینے دس دن کی عدت پوری کی جائے گی۔ اس طرح ۲۴ ذی قعدہ کو عورت عدت سے نکل آئے گی۔ اگر رجب کا مہینہ ۲۹ کا ہوتا ہے تو ۲۵ ذی قعدہ کو عورت عدت سے نکل آئیگی۔

لیکن اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہوگی خواہ وہ زچگی فوراً ہو یا کئی ماہ بعد۔ وضع حمل ہوتے ہی عورت عدت وفات سے نکل آئے گی۔ سورۂ طلاق کی آیت ۴ میں جو اوپر بیان ہوئی حاملہ کی عدت وضع حمل بیان ہوئی ہے اور اس میں مطلقہ اور غیر مطلقہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس پر مزید روشنی حدیث سے پڑتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''سبیعہ اسلمیہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت سعد بن خولہ کے نکاح میں تھی۔ حجۃ الوداع

کے موقع پر میرے شوہر کا انتقال ہو گیا جب کہ میں حاملہ تھی۔ انتقال کے چند روز بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ ایک صاحب نے کہا تم چار مہینے دس دن گزارنے سے پہلے نکاح نہیں کر سکتیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا وضع حمل ہوتے ہی تمہاری عدت ختم ہو گئی ہے تم اب چاہو تو دوسرا نکاح کر سکتی ہو۔'' (مسلم کتاب الطاق)

(۴) ان عورتوں کی کوئی عدت نہیں ہے جن کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی گئی ہو:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۔ (الاحزاب۔ ۴۹)

''اے ایمان لانے والو! جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔''

عدت کے احکام

۱) عدت میں نکاح حرام ہے جیسا کہ قرآن کریم کی بیان کردہ آیات سے واضح ہے۔ لہذا اگر کوئی عورت عدت میں نکاح کرے تو وہ منعقد نہیں ہوگا۔

۲) عدت شوہر کے گھر میں گزارنا چاہئے۔ مطلقہ عورتوں کے تعلق سے حکم دیا گیا ہے کہ:

لاَ تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ وَلاَیَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ۔ (الطلاق۔ ۱)

''ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کھلی بدکاری (یعنی زنا) کی مرتکب ہوئی ہوں۔''

مرد کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو طلاق دینے کے بعد عدت تک اپنے گھر میں رکھے اور عورت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عدت شوہر کے گھر میں گزارے کہ وہ اس کا اپنا گھر ہے۔ گھر سے باہر نہ نکلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے باہر نہیں جاسکتی بلکہ مطلب یہ ہے شوہر کے گھر کو وہ چھوڑ نہ دے۔ رات لازماً وہ شوہر کے گھر میں گزارے۔

حدیث میں آتا ہے:

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہایقول طلقت خالتی فارادت ان تجدنخلہا فذجرھا رجل ان تخرج فاتت النبی ﷺ فقال بلی فجدی نخلک فانک عسی ان تصدقی اوتفعلی معروفا ۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق)

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق ہوئی تو انہوں نے چاہا کہ اپنے باغ کی کھجوریں توڑ لیں لیکن ایک شخص نے ان کو باہر نکلنے پر ڈانٹا وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا نہیں تم جاؤ اپنے باغ کی کھجوریں توڑو۔ ممکن ہے تم اس میں سے صدقہ دو یا اور کوئی بھلائی کا کام کرو۔''

صحیح مسلم میں یہ حدیث جس باب کے تحت درج ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

''معتدہ بائن (طلاق بائن کی صورت میں عدت گزارنے والی عورت) اور جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اس کو دن میں ضرورت کے لئے نکلنا جائز ہے۔''

جن عورتوں کے شوہر وفات پا جائیں انکے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِاَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًاالِى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِى مَا فَعَلْنَ فِى اَنْفُسِهِنَّ مِنْ

مَعْرُوْفٍ۔ (البقرۃ۔۲۴۰)

''اور تم میں سے جو لوگ وفات پائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں وہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں نان نفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نکالی نہ جائیں پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو وہ معروف طریقہ پر جو کچھ اپنے لئے کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

اس آیت میں مردوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے لئے ایک سال تک نفقہ کی اور گھر سے نکالے نہ جانے کی وصیت کریں۔ عدت تو انہیں اپنے شوہر کے گھر میں گزارنا ہی ہے لیکن ایک سال تک انہیں شوہر کے گھر میں رہنے کا موقع دیا جانا چاہئے تاہم اگر وہ عدت گزرنے کے بعد شوہر کے گھر کو چھوڑ دیں تو معروف طریقہ پر وہ جو کچھ اپنے حق میں کریں مثلاً کوئی مناسب رشتہ موجود ہونے کی وجہ سے وہ نکاح کر لیں تو اس میں گناہ کی کوئی بات نہیں۔ قرآن جب ایک سال کی رہائش کی وصیت کرنے کا حکم دے رہا ہے تو عدت تک عورت کا شوہر کے گھر میں رہنا اور اس کا وہاں سے نکالا نہ جانا بدرجہ اولیٰ لازم آتا ہے۔

۳) مطلقہ عورتیں عدت میں زیبائش و آرائش کر سکتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

۴) عدت وفات میں عورت کو چار ماہ دس دن تک اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک شوہر کے غم میں سوگ منانے کا حکم دیا گیا ہے ام المومنین حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں:

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لایحل لامراۃ تومن باللہ والیوم الاخر

ان تحد علی میت فوق ثلاث لیال الاعلی زوج اربعة اشهر وعشرا۔ (البخاری کتاب الطلاق)

''میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میت کا تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے مگر شوہر پر کہ چار ماہ دس دن تک اسے سوگ کرنا ہے۔''

اس سوگ کی تشریح اس حدیث میں بیان ہوئی ہے جس کو ام عطیہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

فانها لاتکتحل ولاتلبس ثوبا مصبوغا الاثوب عصب ۔ (البخاری کتاب الطلاق)

''وہ نہ سرمہ لگائے اور نہ رنگے ہوئے کپڑے پہنے سوائے عصب کے کپڑے کے۔''

صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ:

لاتمس طیبا۔ (مسلم کتاب الطلاق) ''خوشبو نہ لگائے۔''

مطلب یہ ہے کہ عورت عدتِ وفات میں زیبائش و آرائش نہ کرے۔ اس زمانہ میں کپڑے کسم یا زعفران سے رنگ دیا کرتے تھے ایسے رنگین کپڑے پہننے سے منع کیا گیا البتہ عَصب کے کپڑے پہننے کی اجازت دی گئی۔ عصب یمنی چادروں کو کہتے تھے جن کو بُننے سے پہلے رنگ دیا جاتا تھا اور وہ شوخ رنگ کی نہیں ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں عام طور سے سفید کپڑے استعمال کئے جاتے تھے اس لئے زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑے جس میں زیبائش ہوتی تھی عدتِ وفات میں پہننے سے منع کر دیا گیا۔ موجودہ زمانہ میں عورتیں عام طور

سے رنگیں کپڑے استعمال کرتی ہیں جن کا تاگا ہی رنگین ہوتا ہے اس لئے اگر وہ سادہ ہیں اور شوخ رنگ کے نہیں ہیں تو انکو عصب پر قیاس کر کے جائز کہا جا سکتا ہے اور سیاہ کپڑے میں تو کوئی زینت ہوتی ہی نہیں اس لئے سیاہ برقع پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عدت وفات میں زیور کا استعمال جائز نہیں خواہ سونے کے زیور ہوں یا چاندی کے یا موتی وغیرہ کے۔ اسی طرح سرمہ لگانا جائز نہیں۔ اسی حکم میں کاجل، پوڈر، سنو اور لپ اسٹک جیسی چیزیں شامل ہیں نیز ہاتھوں کو مہندی لگانا بھی ممنوع ہے۔ خوشبو کا استعمال بھی جائز نہیں ہے خواہ کسی شکل میں ہو۔ تیل اور صابن اگر معمولی خوشبو کا ہو جس کے استعمال کے بعد اس کی خوشبو باقی نہ رہتی ہو تو چونکہ موجودہ تمدن میں اس سے بچنا مشکل ہے اس لئے اسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت عدت میں صاف ستھری نہ رہے نظافت بہر حال ضروری ہے اور جو پابندیاں ہیں وہ زیب و زینت کے تعلق سے ہیں۔

عدت کے یہ احکام جو اوپر بیان ہوئے کس قدر اہم اور ضروری ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں بہ کثرت خواتین ایسی ہیں جو جہالت میں مبتلا ہیں اور جو تعلیم یافتہ خواتین ہیں وہ بھی بیشتر اسلامی تعلیمات سے ناآشنا ہیں اس لئے عدت کے احکام کی پابندی نہیں کرتیں حالانکہ قرآن کریم میں عدت کے احکام کو بیان کرنے کے بعد ان کی خلاف ورزی نہ کرنے کی سختی کے ساتھ ہدایت دی گئی ہے:

وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ (الطلاق۔۱)

''یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر ہی ظلم کرے گا۔''

تفویض طلاق

(عورت کو اپنے اوپر طلاق عائد کرنے کا اختیار دینا)

موجودہ حالات میں ایسے واقعات بہ کثرت ہو رہے ہیں کہ عورت مرد کی زیادتیوں سے تنگ آ جاتی ہے وہ اسے نہ طلاق دیتا ہے اور نہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت نے عورت کے لئے خلع کی راہ بھی کھلی رکھی ہے اور عدالت کے ذریعہ فسخ نکاح کی بھی، لیکن مسلمانوں کا ایک گروہ ایک آسان حل یہ تجویز کر رہا ہے کہ نکاح کے وقت ہی نکاح نامہ میں مرد یہ صراحت کر دے کہ اس نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا ہے لہٰذا وہ جب چاہے اپنے اوپر طلاق عائد کر سکتی ہے اس کو فقہاء کی اصطلاح میں تفویض طلاق کہتے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم تفویض طلاق کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیں جو علماء اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے دلائل سامنے آنا ضروری ہیں تا کہ ان کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھا جا سکے۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن مجموعہ قوانین اسلام مطبوعہ پاکستان میں لکھتے ہیں:

''تفویض طلاق (Delegation of the power of divorce) کے معنی ہیں'' طلاق دینے کا اختیار اپنی زوجہ کے سپرد کرنا چنانچہ عورت کا مرد سے نکاح کے وقت یہ شرط کرنا کہ وہ طلاق کی مختار ہے شرعاً صحیح ہے۔ اسی طرح شوہر کا اپنی زوجہ کو قیام نکاح کے دوران حق طلاق تفویض کرنا بھی جائز ہے۔ ملک شام کے عائلی قانون کے تحت بھی شوہر کا یہ اختیار تسلیم کیا گیا ہے۔''

اگر زوجہ نے بوقت نکاح شوہر سے حق طلاق حاصل کر لیا ہو یا وہ نکاح کے بعد اس حق کی مالک بن گئی ہو تو وہ اس حق کو استعمال کر کے خود کو طلاق دے کر رشتہ زوجیت قطع کر سکتی ہے اور اس طلاق کا اسی طرح اعتبار کیا جائے گا جیسے کہ شوہر نے زوجہ کو وہ طلاق خود دی ہو۔

تفویض یا تملیک طلاق کے بعد شوہر زوجہ کے اس حق کو فسخ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تفویض کے بعد زوجہ اس اختیار کی بنفسہ مالک ہو جاتی ہے خواہ اس حق کو استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے کرے۔ البتہ تفویض طلاق معین مدت کے لئے ہو اور وہ عدت گزر جائے تو عورت کا حق باطل اور بے اثر ہو جائے گا۔

لیکن شوہر کے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کرنے کی صورت میں خود اس کا حق طلاق ساقط نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کر دیا اور پھر خود اس کو طلاق بائن دے دی تو عورت کا اختیار باطل اور غیر نافذ ہو جائے گا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفویض سے ملکیت کیونکر پیدا ہوگی اور اگر ملکیت عورت کو حاصل ہو گئی تو پھر مرد کا حق طلاق کیونکر باقی رہا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تفویض طلاق دراصل خیارِ طلاق ہے اور خیار دینا ایک فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا مالک

کرنا ہوتا ہے کیونکہ مخیّر (جس کو اختیار دیا گیا) اس فعل میں اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے لہذا اگر شوہر اپنی زوجہ کو خیارِ طلاق تفویض کرتا ہے تو گویا وہ اپنی زوجہ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ خود کو طلاق دے کر اس مرد کے رشتۂ زوجیت سے علیحدہ کر سکتی ہے اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ عورت مالکہ ہو کر متصرف ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ مرد کی اس ملکیت میں عورت بھی تصرف کر سکتی ہے جو اس مرد کے علاوہ ہے نہ کہ بجائے۔''

(مجموعہ قوانین اسلام مطبوعہ پاکستان جلد دوم ص ۳۹۲، ۳۹۳)

اور مسلم پرسنل لا میں ہے:

Delegation of power to diverce ------Although the power to give divorce belongs primarily to the husband. he may delegate the power to the wife or to a third person, eigther absolutely or conditionally,and eigther for a particuler period or permanantly. The person to whom the power is delegated may then pronounce the divorce accordingly. A temporary delegation of the power is irrevocable, but a permanant delegation maybe revoked."

(Mulla's Principles of Mahomedan Law p.332)

الحیلۃ الناجزۃ (مؤلف مولانا اشرف علی تھانوی و دیگر علماء) میں تفویض طلاق کو فقہ حنفی کی روشنی میں جائز قرار دیا گیا ہے اور کابین نامہ کے لئے نمونہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ ضروری اقتباسات:

''اس قسم کا بین نامہ لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے (اور اس اختیار دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں۔''

''اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں۔ چاہے نکاح سے پیشتر لکھوایا جاوے چاہے عین وقت عقد میں زبان سے کہلوالیا جائے۔ چاہے بعد میں لکھوایا جائے۔''

(الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۰۔۳۱)

ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا گیا ہے کہ:

''چونکہ عورت ناقص العقل ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں۔ پس مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگا دی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر ۔۔۔۔۔۔۔روپئے ۔۔۔۔۔۔سکے رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر دئے جائیں) تو اسکے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اسکے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کر لی جاوے۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئیگا جبکہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ تکلیف شدیدہ ہے۔'' (صفحہ ۳۵)

نیز یہ وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ:

''شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے۔'' (صفحہ ۳۷)

اور یہ ہدایہ میں ہے:

وان قال لھاطلقی نفسک متی شئت فلھا ان تطلق نفسھا فی المجلس وبعدہ ۔ (ہدایہ ص۱۹۶)

''اگر شوہر نے بیوی سے کہا جب چاہو اپنے کو طلاق دے دو تو اس کو اختیار ہے کہ اس مجلس میں یا اس کے بعد اپنے کو طلاق دے دے۔''

اب ہمیں قرآن وسنت کی روشنی میں علماء کی ان تصریحات کا جائزہ لینا ہے۔ تفویض طلاق کے جواز میں جس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے:

یَـآاَیُّھَاالنَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَاوَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًاجَمِیْلًا۔ (الاحزاب۔۲۸)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آ ؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں۔''

فقہا نے اس تخییر (دو باتوں میں سے ایک بات اپنے لئے پسند کر لینے) کو تفویض طلاق پر محمول کیا ہے یعنی اس صورت میں عورت کو یہ اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق نافذ کر لے جب کہ اس آیت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ آیت میں نبی ﷺ سے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی ازواج سے معلوم کرلیں کہ وہ دنیا کی زیب وزینت

چاہتی ہیں یا اللہ اور اس کے رسول کو۔ اگر دنیا کی زیب وزینت چاہتی ہیں تو خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کردیا جائے یعنی ان کی یہ مرضی معلوم ہونے کے بعد آپ انہیں طلاق دیدیں۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ اگر آپ کی ازواج دنیا کی زینت چاہتیں تو طلاق خود بخود واقع ہوجاتی۔ آیت میں طلاق کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے اور اس کے یہ الفاظ **اسرحکن سراحاجمیلا** ''میں تمہیں خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں'' صاف بتا رہے ہیں آپ کے جدا کرنے سے وہ جدا ہوجاتیں لہٰذا اس تخییر کو تفویض طلاق پر محمول کرنا صحیح نہیں۔''

چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

لکن ظاھر الآیۃ ان ذلک بمجردہ لایکون طلاقا بل لابدمن انشاء الزوج الطلاق لان فیھا فتعالین امتعکن واسرحکن ای بعد الاختیار ودلالۃ المنطوق مقدمۃ علی دلالۃ المفھوم۔ (فتح الباری ج ۹ ص۳۰۳)

''لیکن آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ مجرد تخییر سے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوتا بلکہ شوہر کے طلاق دینے ہی سے طلاق واقع ہوسکتی ہے کیونکہ آیت میں فرمایا گیا ہے آ ؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر رخصت کردوں جس کا مطلب یہ ہے کہ ازواج کے اس فیصلہ کے بعد (کہ وہ دنیا کی زینت کو ترجیح دیتی ہیں) انہیں رخصت کردیا جائے اور الفاظ کی دلالت مفہوم کی دلالت پر مقدم ہے۔''

لہٰذا تفویض طلاق کا جواز آیت تخییر سے ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن نے طلاق کا اختیار مرد ہی کو دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ۔(البقرۃ۔۲۳۷)

''مرد جس کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح ہے۔''

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح کی گرہ کھولنا یعنی طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے۔ پھر یہ اختیار عورت کو دینے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟

عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دینے کی صورت میں وہ مصالح فوت ہوجاتے ہیں جن کی بنا پر شارع نے اس کو اس کا اختیار نہیں دیا ہے۔ اور الحیلۃ الناجزۃ میں تفویض طلاق کو جائز قرار دیا گیا ہے وہاں اس اندیشہ کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ:

چونکہ عورت ناقص العقل ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں۔'' (الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۴)

اور اس خطرہ سے بچنے کی صورت یہ پیش کی گئی ہے کہ کابین نامہ میں دس اشخاص کے نام پیش کئے جائیں جن میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ عورت کو مرد کی طرف سے شدید تکلیف پہنچ رہی ہے تو عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے۔ مگر اس شرط کو عملاً پورا کرنا آسان نہیں ہے اگر دو آدمی عورت کی بات کو تسلیم کرلیں اور تین آدمی اس کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کریں تو کیا صورت ہوگی؟ یہ دو آدمی صرف عورت کی بات سنیں گے یا مرد کی بھی۔ اگر صرف عورت کی بات سنیں گے تو یہ یکطرفہ فیصلہ ہوگا اور اگر مرد کی بھی سنیں گے تو متضاد بیانات کی صورت میں گواہ وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ پھر یہ مسئلہ دارالقضاء کا بن جاتا ہے اور اس صورت میں یہ شرط بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہماری نگاہ اس پہلو پر بھی ہونی چاہئے کہ موجودہ دور میں جو لوگ اسلام کی

عائلی قوانین سے مطمئن نہیں ہیں اور ان میں ترمیم کے درپے ہیں یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ نکاح کے موقع پر ایک کابین نامہ تیار کیا جائے جس میں مرد اور عورت کو یہ پیشگی اختیار دے کہ فلاں اور فلاں صورت میں عورت خود اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے۔ تفویض طلاق کے اس حیلہ کو اختیار کرکے وہ مرد وزن میں مساوات کا اصول قائم کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس کی ہرگز تائید نہیں کی جاسکتی۔

نکاح کا موقع مرد اور عورت کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا کرنے کا موقع ہوتا ہے اور تعلقات اسی صورت میں خوشگوار ہوسکتے ہیں جب کہ باہمی اعتماد کی فضا ہو۔ ایسے موقع پر ناچاقی اور طلاق کا تصور ہی مرد اور عورت دونوں کی نفسیات پر بُرا اثر ڈالنے والا ہے اور جب عورت کی طرف سے شرائط کی بات آئے گی تو مرد بھی اپنی شرطیں پیش کرے گا۔ اس طرح دونوں کے ذہن پر اس کے خراب اثرات پڑیں گے۔ دراصل کابین نامہ کا تصور ہی باہمی اعتماد کو ٹھیس پہنچانے والا ہے اور ان مصالح سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا جو نکاح میں ملحوظ رکھے گئے ہیں۔

اگر متقدمین نے تفویض طلاق کی اجازت دی تھی تو اس کی حیثیت ایک فقہی جزیہ کی تھی جس سے اس وقت کے حالات میں کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس کو ایک کلیہ کی شکل دے کر موجودہ حالات میں اس کی عام اجازت دینا کسی طرح صحیح نہیں۔ اسلام میں عزل کی اجازت ایک جزیہ کی حیثیت سے موجود ہے تو کیا اس کو ایک کلیہ کی شکل دے کر برتھ کنٹرول اور فیملی پلاننگ جیسے منصوبے بنانے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو تفویض طلاق کے بارے میں بھی ایک فقہی جزیہ کو کلیہ کی شکل

دینے اور کابین نامہ میں اسے درج کرانے کی ترغیب لوگوں کو نہیں دی جاسکتی۔

بعض علماء اس کے جواز میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ نکاح میں جب وکالت جائز ہے تو طلاق میں بھی وکالت جائز ہے اور تفویض طلاق میں بیوی کو وکیل بنا کر طلاق کا اختیار دیا جاتا ہے لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے۔ نکاح کے لئے شریعت میں وکالت کی مثالیں موجود ہیں لیکن طلاق کے لئے وکالت کی ایک مثال بھی نہیں۔ پھر نکاح ایک مثبت چیز ہے جبکہ طلاق ایک منفی چیز جس میں بیوی یا شوہر یا دونوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ نکاح کی وکالت وقتی طور پر ہوتی ہے جبکہ تفویض طلاق میں عورت کو جب چاہے اپنے اوپر طلاق عائد کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ گویا جو اختیار شریعت نے عورت کو نہیں دیا وہی اختیار گھما پھرا کر عورت کو دیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ اگر تفویض طلاق وکالت ہے تو وکالت میں رجوع کا حق شوہر کو ہوگا چنانچہ مغنی میں ہے:

ولناانه توكيلي وكان له الرجوع فيه ۔(مغنی ج ۷ ص ۱۴۲)

''ہمارے نزدیک یہ توکیلی (وکالت) ہے اس لئے اس میں شوہر کو رجوع کا حق ہے۔''

اور جب تفویض طلاق میں شوہر کو رجوع کا حق ہے تو پھر شوہر کسی وقت بھی اپنے دئے ہوئے اختیار کو واپس لے سکتا ہے۔ ایسی صورت میں تفویض طلاق کا کیا فائدہ ؟ اور جہاں تک شیعہ فرقہ کا تعلق ہے امام جعفر صادق کی رائے یہ ہے کہ طلاق کے لئے بیوی کو وکیل نہیں مقرر کیا جاسکتا۔ (دیکھئے مسلم لا۔طیب ج ص ۱۵۳) پھر ایسی بات نکاح کے کابین نامہ میں شامل کر کے ہم دین کی کیا خدمت انجام دی گے۔

خلاصہ یہ کہ مرد کی طرف سے عورت کو طلاق کا اختیار دینا کہ وہ جب چاہے اپنے اوپر

طلاق عائد کرلے ایک ایسی بات ہے جس کی قرآن وسنت میں کوئی دلیل نہیں۔ اسلام نے مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے اور عورت کو بوجوہ نہیں دیا تو کیا ہم شریعت کے اس قاعدہ میں ترمیم کریں؟ جن علماء اور فقہاء نے اس سلسلہ میں اجتہاد کیا ہے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شرعی مصالح اور اسلام کا مزاج اس کی تائید نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں نکاح کے موقع پر طلاق کی بحث چھیڑنا نفسیاتی اعتبار سے بھی غلط ہے اور تفویض طلاق کے نتیجہ میں طلاق کی کثرت کا اندیشہ ہے جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ طلاق کے واقعات کم سے کم ہوں۔

زیر اہتمام: محمد صدیق قریشی
Pixel Arts
Mobail: 9820790615
Printed at : Fatima Printers
Tilak Nagar , Saki Naka Mumbai 400070